فکر و نظر............ اسلام آباد جلد: ۴۳ شمارہ: ۴

فتویٰ کی ضرورت و اہمیت، آداب و شرائط

ڈاکٹر حافظ غلام یوسف*

اسلام ایک روح پرور دین ہے۔(۱) وہ مکمل ضابطۂ حیات اور جامع دستور ہے۔(۲) اللہ تعالیٰ کا یہ آخری پیغام کامل ومکمل طوپر دنیاکے سامنے آچکا ہے۔ اس رواں دواں زندگی کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو شریعت نازل فرمائی ہے اس میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ ہر حال میں دنیا کی رہنمائی کر سکے، اور ہر منزل میں تغیر پذیر انسانیت کا ساتھ دے سکے ، وہ کسی خاص عہد کی تہذیب یا کسی خاص دور کافن تعمیرنہیں ہے جو اُس دور کی یادگاروں کے اندر محفوظ ہو ، اوراپنی زندگی کھوچکا ہو، بلکہ وہ زندہ ہے اور علیم وحکیم صانع کی صنعت کابہترین نمونہ ہے۔

موجودہ صنعتی و مادّی دور اور مشینی و سائنسی زمانہ میں بھی قرآن و حدیث کے معطّر خزینہ میں زندگی اور اس کے ارتقائی پہلو کی پوری توانائی موجود ہے۔ شریعت کے ضوابط آسان ہیں(۳) اور اسلامی قوانین میں کوئی تنگی نہیں۔(۴) اسلامی قوانین حکمت سے معمور، نہایت معقول اور مدلّل ہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے شارع صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم الٰہی کے شارح ومفسّر ہیں۔ جیساکہ قرآن و حدیث میں متعدد مقامات پر اس کی وضاحت کی گئی ہے۔(۵) اسی بناء پرخدائی قانون میں تبدیلی محال ہے۔

ماحول کے اثرات کا مقابلہ کرنے اور مکان و زمان کی تبدیلیوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے دو انتظامات فرمائے ہیں:

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی کامل ومکمل اور زندہ تعلیمات عطا فرمائی ہیں جو ہر کشمکش اور ہر تبدیلی کا بآسانی مقابلہ کرسکتی ہیں، اور ان میں ہر زمانہ کے مسائل و مشکلات کو حل کرنے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ اس دین کو ہر دور میں ایسے زندہ اشخاص عطا فرماتا رہے گا جو ان تعلیمات کو زندگی میں منتقل کرتے رہیں گے اور اجتماعی یا انفرادی حیثیت سے اس دین کو تازہ اور اُمت کو سرگرمِ عمل

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ فقہ و اسلامی قانون، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

DMHL

رکھیں گے، اس دین میں ایسے اشخاص کے پیدا کرنے کی صلاحیت و طاقت ہے ، جن کا اس سے پہلے کسی مذہب میں اظہار نہیں ہوا۔ یہی وہ جماعت ہے جس کو اُمت مسلمہ'' فقہاء'' کے نام سے تعبیر کرتی ہے۔

شریعت اسلامیہ کے اوّلین بنیادی مآخذ قرآن و حدیث کے احکام واضح ہونے کے ساتھ ساتھ ہر طرح مکمل اور ہر دور کیلئے قابل عمل ہیں۔ زمانے کے حالات کے مطابق اسلامی قانون میں اجتہاد و استنباطِ مسائل کی گنجائش ہمیشہ سے موجود رہی ہے تاہم اجتہاد و استنباطِ مسائل اسی صورت میں ہو سکتے ہیں جہاں متعلقہ مسئلے میں قرآن و حدیث خاموش ہوں ۔

مسند الامام احمد بن حنبل اور سنن ابی داؤد میں موجود حدیث، اجتہاد و استنباط کی ضرورت کو واضح کرتی ہے: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو (قاضی و حاکم بنا کر) یمن روانہ کیا تو اُن سے (بطورِ امتحان) پوچھا کہ جب تمہارے سامنے کوئی قضیہ پیش ہو گا تو تم کس طرح فیصلہ کروگے ؟ انہوں نے کہا کہ ''میں کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کروں گا'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اگر تمہیں وہ مسئلہ (صراحۃً) کتاب اللہ میں نہ ملا ؟'' انہوں نے کہا ''پھر میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق فیصلہ کروں گا'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اگر تمہیں وہ مسئلہ سنّتِ رسول اللہ میں بھی نہ ملا؟'' حضرت معاذؓ نے کہا ''پھر میں اپنی عقل سے اجتہاد کروں گا اور (اپنے اجتہاد و حقیقت رسی میں) کوتاہی نہیں کروں گا'' حضرت معاذؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے (یہ سن کر) اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا اور فرمایا تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے رسولِ خدا کے قاصد کو اس چیز کی توفیق عطا کی جس سے اس کا رسول راضی ہو۔[۷]

شریعت اسلامیہ زندہ و تابندہ احکام کا مجموعہ ہے۔ اس میں عقل کے استعمال کو اُبھارا گیا ہے۔[۸] وہ عدل و مصلحت پر مشتمل ہے مگر شریعت اور فقہی استنباط[۹] کے درمیان فرق کو ذہن نشین رکھنا ضروری ہے۔ شریعت بالکل نقص سے پاک ہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں[۱۰] جبکہ فقہی استنباط میں چونکہ اجتہاد کا دخل ہوتا ہے، اس لئے اس میں نظرثانی اور ترمیم کی گنجائش موجود ہے۔

علماء و فقہاء، زمانۂ قدیم ہی سے قرآن اور حدیث کے اصولی احکام یا نصوص شرعیّہ کی روشنی میں فقہ اور اصولِ فقہ پر شاندار تصنیفات مرتّب کرتے چلے آئے ہیں، یہ موجودہ زمانے میں بھی ایک نظیر یا ''رُولنگ'' کا کام دیتے ہیں۔ اگرچہ دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں فقہ کے تفصیلی مباحث کی ضرورت پیش نہ آئی تھی اس لئے وہ ایک فن کی حیثیت سے مدَوّن نہیں ہوئی تھی۔[۱۱]

افتاء اپنی ماہیت کی رو سے احکامِ الٰہیہ کے کشف و اظہار کا نام ہے۔ یہ فقہی مسائل و احکام کا شرعی حل دریافت کرنے کی سعی و کاوش سے عبارت ہے۔ افتاء کا کام سب سے زیادہ حساس و نازک ہے۔ یہ ایک مسلسل، متحرک، تدریجی اور ارتقائی عمل ہے۔ اس لئے افتاء کا عمل کبھی رک نہیں سکتا، اسے ہمیشہ آگے بڑھنا اور پھیلنا ہے، افتاء کا جمود مذہبی زندگی کی موت ہے اور اس کا تسلسل ہی قانون کا ارتقاء ہے۔ (۱۲)

فتویٰ کے بغیر عوام میں مذہبی رجحان اور دینی ذوق کی پرورش ممکن نہیں، چنانچہ افتاء کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود دینِ اسلام کی۔ تاہم فتویٰ پوچھنے اور فتویٰ دینے کے طریقے بدلتے رہے ہیں، اور فتاویٰ کی جمع و تالیف بھی مختلف انداز سے کی جاتی رہی ہے۔

عہد رسالت اور عہد صحابہ میں استفتاء اور فتویٰ کا سلسلہ اکثر و بیشتر زبانی تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیّبہ میں صحابۂ کرام پیش آمدہ مسائل میں آپؐ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے ، ہر قسم کے سوالات و جوابات اور استفسار کا مرکز آپؐ ہی کی ذاتِ گرامی رہی، اس لئے مستقل فن کی حیثیت سے تدوین کی طرف توجّہ بھی نہیں ہوئی ،آپؐ کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ مرکز افتاء تھے اور وہ حضرات بھی سب کے سب صاحبِ فتویٰ نہ تھے، جو حضرات صاحبِ فتویٰ تھے ان کی تین قسمیں ہیں، کثیرالفتاویٰ، متوسط الفتاویٰ، اور قلیل الفتاویٰ۔ (۱۳)

جوں جوں اسلامی مملکت میں وسعت ہوئی ہر جگہ مختلف قوموں نے اسلام اور اس کی ابدی صداقت کے اصولوں کوتسلیم کیا، نئی تہذیب و تمدن اور نئی معاشرتوں کا سامنا ہوا، قوموں کے اختلاط اور معاشرتی ضرورتوں نے نئے نئے مسائل کو جنم دیا، تو جوابًا اس دور کے تقاضوں کو بوجہ احسن پورا کرنے کے لئے علماء و فقہاء نے قرآن و سنّت کی روشنی میں علوم وفنون کا ایک گلدستہ تیار کیا۔

ان ہی علوم و فنون میں سے ''علم الفقہ'' کا فن (۱۴) بھی وجود میں آیا اور تدریجاً ارتقائی منازل طے کرتا رہا۔ فقہاء نے نہایت عرق ریزی اور جانفشانی کے ساتھ فقہ کے رہنما اصول مرتب کئے، انہوں نے بلاریب قرآن و حدیث کو سمجھنے اور نئے مسائل کا استنباط کرنے میں نہایت خلوص سے محنت کی، اس کام میں کسی قسم کی خود غرضی یا نفسانیت کا تصور بھی نہیں ہے۔ مگر اس کے باوجود یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ چونکہ ''فقہ'' کا تعلق متحرک و متغیر زندگی کے ساتھ ہے اس لئے اس میں بعض مسائل، حالیہ دور کے مزاج اور ضروریات کے لحاظ سے ناکافی اور ان کی بعض صورتیں وقت گزرنے کے ساتھ غیر ضروری ہو چکی ہیں۔

☆ مجموعی اعتبار سے ''فہمِ نصوص'' میں اختلاف ممکن ہے علا مہ ابن قیم لکھتے ہیں:

''قرآن و حدیث کے سمجھنے میں لوگوں کی فہم و فراست یکساں نہیں ہوتی، بلکہ اس میں تفاوت اور کمی بیشی ہوتی ہے، ایک ہی آیت سے ایک شخص ایک یا دو حکم سمجھتا ہے تو دوسرا اس سے دس بلکہ اس سے بھی زیادہ احکام سمجھ لیتا ہے، بعض کا فہم صرف الفاظ ہی تک رہتاہے، بیان، اشارہ ،تنبیہ اور اعتبار وغیرہ تک اس کی رسائی نہیں ہوتی۔ بعض اس سے بھی زیادہ تیز فہم ہوتے ہیں وہ ایک آیت کو دوسری آیت سے ملا کر بہت باریک معنی تک پہنچ جاتے ہیں اور مفرد لفظ سے جو معنی ذہن میں نہیں آتے وہ اُسے حاصل کر لیتے ہیں، یہ تو صرف خداداد صلاحیت ہے بہت کم اہل علم ہیں جو اس مرتبہ تک پہنچتے ہیں''۔[۱۵]

صرف ''فہم نصوص'' ہی نہیں بلکہ فقہاء نے اختلاف کی مزید وجوہ بھی بیان کی ہیں۔[۱۶] عہدِرسالت ہو یا عہد صحابہ و تابعین،ائمہٗ مجتہدین کا دورِ تدوین فقہ و اجتہاد ہو یا تقلیدِ محض کا دور، قرون وسطیٰ کا زمانہ ہو یا پندرہویں صدی ہجری ہو، خطہٗ عرب ہو یا سرزمین برصغیر پاک و ہند، افتاء ہر زمانے اور ہر علاقہ کے مسلمانوں کی ضرورت رہی ہے فتویٰ پوچھنے اور فتویٰ دینے کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد سے شروع ہوتا ہے اور یہ تسلسل بغیر کسی وقفہ کے جاری ہے کسی مرحلہ پر جمود پیدا نہیں ہوا۔

شرعی معلومات میں چاہے اُن کا تعلق عقائد سے ہو یا عبادات سے، معاملات سے ہو یا اخلاق و اعمال سے،معاشرت سے ہو یا سیاست مدنی سے انسانی زندگی میں بیسیوں ایسے مواقع آتے ہیں جہاں انسان کو رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے وقت میں ایک مسلمان فقہ و فتاویٰ اور''مفتی'' کی رہبری کا محتاج ہوتا ہے ہر شخص کو اپنی منہمک زندگی میں فرصت اور پھر صلاحیت کہاں کہ وہ قرآن و حدیث کا غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کرے اور ضرورت کے وقت پیش آمدہ مسائل کا خود حل تلاش کر لے۔

اس لئے عقل سلیم کا تقاضا ہے کہ قرآن و سنت پر نظر عمیق رکھنے والی ایک جماعت مسائل ضروریہ مستنبط کر کے یکجا کرتی رہے تاکہ اُمت کے عام افراد اپنے روز مرہ کے پیش آمدہ مسائل میں صحیح رہنمائی حاصل کرسکیں۔ انہی مستنبط احکام و مسائل کا نام فقہ و فتاویٰ ہے۔

مفتیان کرام کی جماعت جن کو فقہ سے مناسبت تامہ ہوتی ہے ہر زمانہ میں پائی گئی ہے اور عوام و خواص ہر ایک کا اس جماعت کی طرف رجوع عام رہا ہے اور یہ جماعت اپنے علمی رسوخ، خدا داد

صلاحیت اور مخصوص قوتِ ادراک کی وجہ سے اس کام کو بخوبی انجام دینے میں ممتاز اور نمایاں رہی ہے، اس جماعت نے افتاء کو اپنا فریضۂ منصبی تصور کرتے ہوئے ہمیشہ ہی مسلمانوں کی رہنمائی کی ۔

لفظ ''فتویٰ'' کا لُغوی مفہوم

فتویٰ/ا یہ عربی زبان کا لفظ ہے، اس کی جمع فتاویٰ ہے۔ اس کا مادہ'' ف .ت. ی'' یعنی (فتی) ہے۔ اس لفظ کا استعمال کثیر معانی کے لئے ہوتا ہے۔ جوان، جوان ہونا، لڑکا، بوڑھا، جوان مرد، جوان عورت[۱۷] خادم اور غلام کو بھی فتیٰ کہا جاتا ہے۔[۱۸] ''تاج العروس'' میں ہے: ''اَلْفتیٰ فِی الْاَصلِ یُقالُ لِلشّابِ الحَدیثِ ثُمّ اُسْتُعِیرَ لِلْعبْدِ و اِنْ کانَ شیخًا مجازًا''[۱۹] یعنی ''فتی'' اصل میں نوعمر نوجوان کو کہا جاتا ہے پھر غلام کے لئے اسکو بطور مجازاً استعمال کیاجانے لگا اگرچہ وہ غلام بوڑھا ہی کیوں نہ ہو اور فتی کا تثنیہ فَتیَانِ اور جمع فِتْیَۃٌ ،فِتْیانٌ آتی ہے۔[۲۰]

لسان العرب میں ہے فتی بعض کے نزدیک اَلْفُتُوَّۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں کرم، سخاوت، مروّت، اور زور آوری اور فتویٰ کو بھی فتویٰ اسی لئے کہتے ہیں کہ فتویٰ دینے والا مفتی اپنی فُتُوَّ ۃ (یعنی سخاوت و مروّت اور عالمانہ قوّت) سے کام لیتے ہوئے کسی دینی مسئلہ کا حل پیش کرتا ہے۔[۲۱]

اس لفظ کا استعمال مختلف ابواب میں ہوتا ہے ، فتا یفتُو فتوًا سخاوت و جوانمردی میں غالب ہونا، فَتِی یفتیٰ اور تَفَتّی از بابِ تفَعُّل، جوان ہونا، فَتّی یُفَتّی تَفْتِیۃً از باب تفعیل، پردہ نشینی اختیار کرنا، لڑکوں کیساتھ کھیلنے سے رکنا، اَفْتَی یُفْتِی اِفْتاءً ، ظاہر کرنا ، فتوی دینا، تَفَاتا یَتَفاتا از بابِ تفاعُل، صاحبِ سخاوت ہونا وغیرہ معانی آتے ہیں۔[۲۲]

لفظ ''فتویٰ'' کے اصطلاحی معنی:

عربی لغت کے معروف امام، ابنِ منظور فتویٰ کا اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہے: فُتیً، فُتویٰ اِسْمانِ یُوْضعانِ مَوضِعَ الْاِفتاءِ ، و یُقالُ :اَفْتَیْتُ فُلانًا رُؤْیا رَآھا اِذا عَبَّرتُھا لَہٗ ، وَ افْتیتُہٗ فِی مَسْئَلتِہٖ[۲۳] یعنی فتیً اور فُتویٰ ایسے دو اسم ہیں جو کہ افتاء کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں اور کہا جاتاہے میں نے فلاں کو اس خواب کی تعبیر بتائی جو اس نے دیکھا تھا اور میں نے اس کے مسئلہ کے بارے میں اس کو فتویٰ دیا ۔ وَ یُقالُ : وَ اَفْتاہُ فِی الْاَمْرِ اَبانَہٗ لَہٗ وَ اَفْتیَ الرَّجُلُ فِی الْمَسْئَلَۃِ وَاسْتَفْتَیْتُہٗ فِیھا فَاَفْتَانِی اِفْتاءً[۲۴] اور کہا جاتاہے وَ اَ فْتا ہ فی الامر اس کے لئے اس کو واضح کیا اور آدمی نے مسئلہ کا جواب دیا اور میں نے اس سے مسئلہ کے بارے میں پوچھا تو اس نے مجھے فتویٰ دیا۔

اَلْفُتْویٰ ، اَلْفَتویٰ، اَلْفُتْیا تینوں الفاظ کا ایک ہی مفہوم ہے '' مَا اَفْتیٰ بِهِ الْفَقِیهُ ''،[۲۵] مَا اَفْتیٰ بِهِ الْعالِمُ،[۲۶] ماہرِ شریعت کا فیصلہ، قانونی رائے، مذہبی حکم، شرعی حکم،[۲۷] مفتی کا فیصلہ، قاضی کا شرعی فیصلہ جو کسی بات کے جواز یا عدمِ جواز میں دیا جائے[۲۸] شریعت کا حکم اور فیصلہ۔[۲۹]

لفظ ''فتویٰ'' اپنے معروف معنیٰ میں عربی، اردو اور فارسی میں یکساں طور پر استعمال ہوتا ہے۔

اِفتاء: اِفتاء اور فتویٰ دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے، یعنی فتویٰ دینا،[۳۰] فتویٰ کا جواب دینا،[۳۱] کسی مسئلہ کا جواب دینا اس میں حکم شرعی بیان کرنا۔[۳۲]

مفتی: مفتی جو علم فقہ کا ماہر ہو اور جو مسائل کا جوا ب دے،[۳۳] حاکم شرع اور فقیہ کو بھی مفتی کہا جاتا ہے۔[۳۴]

استفتاء: فتویٰ طلب کرنے،[۳۵] فتویٰ لینے، شرعی حکم معلوم کرنے، قانونی رائے طلب کرنے،[۳۶] مسئلہ پوچھنے ، شرعی حکم دریافت کرنے اور فتویٰ چاہنے کو ''استفتاء''[۳۷] کہا جاتا ہے۔

مستفتی: فتویٰ طلب کرنے اور کسی معاملے میں شرعی حکم چاہنے والے کو مستفتی کہتے ہیں۔[۳۸]

قرآنِ کریم میں لفظِ ''فتویٰ'' کا استعمال

قرآنِ کریم میں لفظِ فتویٰ اور اس کے مشتقات کا استعمال اکیس (۲۱) مقامات پر ہوا ہے جن میں گیارہ مقامات پر تو فتویٰ کا لفظ تحقیق و طلب کے معانی مثلاً حکم دینا، تحقیق طلب کرنا ، خواب کی تعبیر پوچھنا، مشورہ طلب کرنا وغیرہ میں استعمال ہوا ہے اور دس (۱۰) مقامات پر نوجوان مرد اور نوجوان عورت کے لئے واحد ، تثنیہ ، جمع تینوں طریقوں سے استعمال ہوا ہے۔

تحقیق و طلب کے معانی میں:

۱- وَ یَسْتَفْتُوْ نَکَ فِی النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیکُمْ فِیْهِنَّ[۳۹] اور (اے پیغمبر) لوگ آ پ سے (یتیم) عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں، آ پ فرما دیجئے کہ اللہ تم کو اُن کے (ساتھ نکاح کرنے کے) معاملے میں اجازت دیتے ہیں۔

۲- یَسْتَفْتُونَکَ، قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیکُمْ فِی الْکَلٰلَةِ[۴۰] (اے پیغمبر) لوگ آپ سے (کلالہ کے بارے میں) حکم دریافت کرتے ہیں آ پ فرما دیجئے کہ اللہ کلالہ کے بارے میں یہ حکم دیتے ہیں۔

۳- قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیهِ تَسْتَفْتِیٰنِ۔[۴۱] جس بارہ میں تم مجھ سے پوچھتے تھے وہ اسی طرح مقدر ہو

چکا ہے۔

۴- یَا یُّھَاالْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْ یَایَ اِنْ کُنْتُمْ لِلرُّءْ یَا تَعْبُرُوْنَ۔(۴۲) اے سردارو! اگر تم خوابوں کی تعبیر دے سکتے ہو تو مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ۔

۵- یُوْسُفُ اَیُّھَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَا نٍ یَّاْ کُلُھُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ۔(۴۳) یوسف اے بڑے سچے ہم لوگوں کو (اس خواب کی تعبیر) بتایئے کہ سات موٹی گائیوں کو سات دُبلی گائیں کھا رہی ہیں۔

۶- وَلاَ تَسْتَفْتِ فِیْھِمْ مِّنْھُمْ اَحَدًا۔(۴۴) اور اُن کے بارے میں اُن لوگوں میں سے کسی سے کچھ دریافت ہی نہ کرنا۔

۷- قَالَتْ یٰٓاَیُّھَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْ اَمْرِیْ مَا کُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰی تَشْھَدُوْنِ۔(۴۵) کہنے لگی کہ اے اہلِ دربار میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو، جب تک تم حاضر نہ ہو (اور صلاح نہ دو) میں کسی کام کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی۔

۸- فَاسْتَفْتِھِمْ اَھُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا۔(۴۶) آپ ان سے پوچھیے کہ ان کا بنانا مشکل ہے یا جتنی مخلوق ہم نے بنائی ہے اُن کا؟

۹- فَاسْتَفْتِھِمْ اَ لِرَ بِّکَ ا لْبَنَا تُ وَ لَھُمُ ا لْبَنُوْنَ۔(۴۷) آپ اِن لوگوں سے پوچھیے تو کہ بھلا تمہارے پروردگار کے لئے تو بیٹیاں اور اُن کے لئے بیٹے۔

جوان مرد یا جوان عورت کے معانی میں:

۱- وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ طَوْلاً اَنْ یَّنْکِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ مِنْ **فَتَیٰتِکُمُ** الْمُؤْمِنٰتِ۔(۴۸) اور جو شخص تم میں سے پوری قدرت نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو مومن باندیوں ہی سے جو تمہاری مملوکہ ہیں نکاح کرلے۔

۲- وَقَالَ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِیْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ تُرَاوِدُ **فَتٰھَا** عَنْ نَّفْسِهٖ قَدْ شَغَفَھَا حُبًّا۔(۴۹) اور شہر میں عورتیں گفتگو کرنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کے واسطے اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہے اور اُس کا دل اُس کی محبت میں فریفتہ ہو گیا ہے۔

۳- وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ **فَتَیٰنِ**(۵۰) اور ان کے ساتھ دو اور نوجوان بھی قید خانہ میں داخل ہوئے۔

۴- وَقَالَ **لِفِتْيٰنِهِ** اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰىٓ اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ[۵۱] اور (یوسف علیہ الصلوۃ والسلام) نے اپنے خدام سے کہا کہ ان کا سرمایہ (یعنی غلہ کی قیمت) ان کے اسباب میں (چھپا کر) رکھ دو تاکہ جب یہ اپنے اہل وعیال میں جائیں تو اس کو پہچان لیں اور شاید کہ یہ پھر یہاں آئیں۔

۵- اِذْ اَوَى **الْفِتْيَةُ** اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۔[۵۲] جب اُن جوانوں نے غار میں جاکر پناہ لی تو کہنے لگے اے ہمارے پروردگار ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی کا سامان مہیا کر دیجئے۔

۶- اِنَّهُمْ **فِتْيَةٌ** اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى۔[۵۳] وہ لوگ چند جوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کو زیادہ ہدایت دی تھی۔

۷- وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى **لِفَتٰهُ** لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا۔[۵۴] اور جب (موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اپنے خادم سے کہا کہ جب تک میں دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں نہ ہٹوں گا یا یوں ہی زمانہ دراز تک چلتا رہوں گا۔

۸- فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ **لِفَتٰهُ** اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا۔[۵۵] پھر جب دونوں آگے چلے تو (موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے) اپنے خادم سے کہا ہمارے لئے ناشتہ لاؤ اس سفر سے ہم کو بہت تکان ہو گئی ہے۔

۹- قَالُوْا سَمِعْنَا **فَتًى** يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ۔[۵۶] لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایک جوان آدمی کو اُن کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا ہے اُسے ابراہیم کہتے ہیں۔

۱۰- وَلَا تُكْرِهُوْا **فَتَيٰتِكُمْ** عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔[۵۷] اور اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور مت کرو (اور بالخصوص) جب وہ پاک دامن رہنا چاہیں محض دنیاوی زندگی کے فوائد حاصل کرنے کے لئے۔

احادیث مبارکہ اور لفظ ''فتویٰ''

احادیث مبارکہ میں بھی فتویٰ کا لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے۔ بطور نمونہ چند مرفوع روایات اور آثارِ صحابہ پیشِ خدمت ہیں۔ جن میں فتویٰ کی اہمیت و نزاکت کے ساتھ ساتھ غلط فتویٰ دینے والوں کے بارے میں سخت وعید کا بھی بیان ہوا ہے۔

۱- مَنْ اَفْتیَ ا لنَّاسَ بِغَیْرِ عِلْمٍ لَعَنَتْهُ ملاَئِکَۃُ ا لسَّمَآءِ وَ مَلاَئِکَۃُ الْاَرْضِ۔(۵۸) جو شخص لوگوں کو بغیر علم فتویٰ دے اس پر آسمان و زمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

۲- عَنْ ابنِ عبّاس عنِ ا لنبیِّ ﷺ مَنْ اَفْتیٰ بِفُتْیا مِنْ غَیْرِ ثَبَتٍ فَاِنّمَا اِثْمُهٗ عَلیٰ مَنْ اَفْتَاهُ۔(۵۹) حضرت ابن عباسؓ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے بغیر علم کے کوئی فتویٰ دیا تو اس کا گناہ مفتی پر ہے (نہ کہ مستفتی پر)۔

۳- عَنْ عُبیدِ ا للّٰهِ بنِ أبی جَعفر قال: قال رسُولُ اللّٰهِ ﷺأجْرَ ؤکُم عَلَی الْفُتْیا أجْرؤکُم علَی النّارِ۔(۶۰) عبید اللہ ابن ابی جعفر فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ تم میں سے فتویٰ بازی پر سب سے زیادہ جرأت کرنے والا جہنم کی آگ پر سب سے زیادہ جرأت کرنے والا ہے۔

۴- عَنْ وا بصةَ بنِ معبد ا لا سدی اَنَّ رسولَ اللّٰهﷺ قال لِوا بصةَ جِئْتَ تَسْاَلُ عنِ ا لبرِّ وَ ا لْاِثْمِ ؟ قال : قلتُ : نعم .قال : فَجَمَعَ اَصابعهٗ فَضَرَبَ بهَا صَدْرَهٗ ، وَ قَالَ اِسْتَفْتِ نَفْسَکَ ، اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ یَا وَابصةُ ثلا ثًا ا َلْبِرُّ مَا اِطْمَئَنَّتْ اِ لَیهِ ا لنَّفْسُ وَاطْمَاَنَّ الْقَلْبُ ، وَالْاِثْمُ مَا حَاکَ فِی النَّفْسِ وَ تَرَدَّدَ فِی الصَّدْ رِ وَ اِنْ اَفْتَاکَ ا لنَّاسُ وَ اَ فْتُوْ کَ۔(۶۱)

حضرت وابصہؓ ابنِ معبد اسدی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: وابصہ! تم یہی تو پوچھنے آئے ہو کہ نیکی کیا ہے اور گناہ کیا ہے ؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں! (ان کا بیان ہے کہ یہ سن کر) آپ نے اپنی انگلیوں کو اکٹھا کیا اور میرے سینے پر مار کر فرمایا کہ اپنے آپ سے دریافت کرو، ا پنے دل سے دریافت کرو آپ نے یہ الفاظ تین مرتبہ فرمائے، اور پھر فرمایا کہ نیکی وہ ہے جس سے انسان خود مطمئن ہو جائے اور جس سے اس کے دل کو سکون حاصل ہو جائے اور گناہ وہ ہے جس سے انسان کا وجود خلش محسوس کرے اور جس سے اس کے دل و سینہ میں شک و تردّد پیدا ہو جائے اگرچہ لوگ تجھے اُس کے صحیح ہونے کا فتویٰ دیں اور لوگ تجھے فتویٰ دینگے ۔

۵- عنْ عائشةَ قالتْ سُحِرَ رسولُ اللّٰهﷺ حتّٰی اِنَّهٗ لَیُخیَّلُ اِلَیهِ انَّهٗ فَعلَ ا لشَّیَٔ وَ مَا فَعَلَهٗ حَتّٰی اِذا کانَ ذَاتَ یَوْمٍ عِنْدِیْ دَعَا اللّٰهَ وَ دَعَاهُ ثُمَّ قَالَ اَشعَرْتِ یَا عَائِشةُ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَفْتَانِیْ فِیمَا اِسْتَفْتَیْتُهٗ(۶۲)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (جب) رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا تو (آپ کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ) کسی کام کے بارے میں آپ کا خیال ہوتا کہ یہ کام کر لیا ہے حالانکہ وہ

کام کیا نہ ہوتا تھا (کافی دنوں تک آپ کی یہی حالت رہی) تا وقتیکہ ایک دن جب آ پ میرے پاس تھے آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ا ور خوب دعا کی اور پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ عائشہ ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ بات بتا دی ہے جو میں نے اللہ سے دریافت کی تھی۔

۶- عَنْ عَبدِ اللہِ بنِ عَمرو اَنَّ رَسُولَ اللہِ ﷺ قَالَ اِنَّ اللہَ لاَ ینتزِعُ الْعِلْمَ مِنَ النَّاسِ اِنْتزَاعًا وَ لٰکِنْ یقْبضُ الْعُلَمآءَ فَیَرْفعُ الْعِلْمَ مَعَھُم وَ یَبْقٰی فِی النَّاسِ رُءُ وْسًا جُھَّالاً یُفْتُوْنَھُم بغَیْرِ عِلْمٍ فِیَضِلُّوْنَ وَ یُضِلُّونَ ، وَ فِی روایۃٍ فَسُئِلُوْا فَاَفْتُوْا بغَیْرِ عِلْمٍ فضَلُّوْا وَ اَضَلُّوْا۔ (۶۳)

حضرت عبد للہ ابنِ عمرو فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ علم کو (آخری زمانہ میں) اس طرح نہیں اُٹھائے گا کہ لوگوں (کے دل و دماغ) سے اُسے نکال لے، بلکہ علم کو اس طرح اُٹھائے گا کہ علماء کو (اس دنیا سے) اُٹھا لے گا ، پھر ان کے ساتھ علم کو بھی اُٹھا لے گا اور لوگوں کے سردار جاہل باقی رہ جائیں گے اور وہ لوگوں کو بغیر علم کے فتو ے دینگے پس وہ خود بھی گمراہ ہونگے اور لوگوں کو بھی گمراہ کرینگے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ان سے سوال پوچھا جائے گا پس وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے (جس کے نتیجہ میں) وہ خود بھی گمرا ہ ہونگے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے ۔

۷- عَنْ اَبی ھریرۃَ قَال : قَال: رَسُولُ اللہ ﷺ: مَنْ قَال عَلَیَّ مَا لَمْ اَقُلْ فَلْیَتَبَوَّأْ بَیْتًاَ فِی جَھنَّم ، وَ مَنْ اُفْتِیَ بِغیرِ عِلْمٍ کَانَ اِثْمُہٗ عَلیٰ مَنْ اَفْتَاہُ وَ مَنْ اَشَارَ عَلیٰ اَخِیْہِ بِاَمْرٍ یَّعْلَمُ اَنَّ الرُّشْدَ فِی غَیْرِہٖ فَقَدْ خَانَہٗ۔ (۶۴)

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے میری طرف ایسی بات کی نسبت کی جو میں نے نہیں کہی، اُسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے، اور جس شخص کو بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا ہو تو اس کا گناہ اس شخص پر ہوگا جس نے ا س کو غلط فتویٰ دیا اور جس کسی نے اپنے بھائی کو ایسے کام کے بارے میں مشورہ دیا جس کے متعلق وہ جانتاہے کہ اس کی بھلائی اس میں نہیں ہے تو اس نے خیانت کا ارتکا ب کیا۔

۸- عنْ اِبنِ عِبَّاسٍ قال مَنْ اَ فْتیٰ بِفُتْیَا یُعْمیٰ عَلَیْھا فَاِثْمُھَاعَلَیْہِ۔ (۶۵)

حضرت ا بنِ عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جس نے ایسا فتویٰ دیا کہ وہ اس کو جانتا نہیں تھا تو اس کا گناہ اسی فتویٰ دینے والے پر ہو گا۔

۹- عنَ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ ، قَالَ: اِنَّ الَّذِیْ یُفْتِی النَّاسَ فِیْ کُلِّ مَا یُسْتَفْتیٰ لَمَجْنُوْنٌ۔(۶۶) حضرت ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں وہ شخص جو ہر ایک استفتاء کا فتویٰ دے دیتا ہے بلاشبہ وہ شخص مجنون ہے۔

نوٹ: ایسی احادیث اور آثار صحابہ بکثرت موجود ہیں جن میں فتویٰ کی اہمیت اور نزاکت کو بیان کیا گیا ہے۔(۶۷)

فتویٰ کی ضرورت واہمیت:

قرآنِ حکیم اور سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں افتاء کی اہمیت و ضرورت کو بڑے حکیمانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَ ما اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ اِلاَّ رِجَالاً نُّوْحِیْ اِلَیْھِمْ فَسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لاَ تَعْلَمُوْنَ**(۶۸) اور (اے محمد) آپ سے پہلے بھی تو ہم نے آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا (یہی تھا) کہ ان کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھ لو۔

اس آیت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

۱- دنیا میں جتنے بھی حضرات انبیاء تشریف لائے وہ سب کے سب انسان ہی تھے۔

۲- اگر کسی شخص کو کوئی بات معلوم نہ ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اہلِ علم سے دریافت کرے۔

قرآن کریم کی دو آیات(۶۹) میں لوگوں کے فتویٰ پوچھنے کے جواب میں ''افتاء'' کا لفظ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے استعمال فرمایا جس سے اس منصب کی جلالت شان کا اندازہ ہوتا ہے اور یقیناً یہ نسبت اس عظیم منصب اور اس پر فائز ہونے والے اہل علم کی اہمیت و فضیلت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

معاملات چاہے دنیوی ہوں یا دینی، عدم واقفیت کی صورت میں اہلِ علم سے رجوع کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ بغیر صحیح علم کے اللہ اور رسول کی اطاعت نہیں ہوسکتی۔ ناواقفیت ایک مرض ہے جس کا علاج علم ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ حدیث شریف سے اس بارے میں اہم رہنمائی ملتی ہے:

عنْ اِبنِ عباس: أنَّ رجلاً أصابتهُ جراحةٌ علیٰ عَھْدِ رَسولِ اللہ ﷺ، فَأصَابَتْهُ جَنَابَةٌ ، فَاسْتَفْتیٰ فأُفْتِیَ بِالْغُسْلِ ، فاغْتَسَلَ فَمَاتَ ، فَبَلَغَ ذلک النبیﷺفقال: '' قَتَلُوْهُ قَتَلَهُمُ اللہُ، أَلَمْ یَکُنْ شِفَاءُ العَیِّ السُّؤال؟، وَ فِیْ رِوایةٍ قال: قَتَلُوْهُ قَتَلَهُمُ اللہُ ألاَّ سَألُوْا إذْ لَمْ

یَعْلمُوا فَإِنَّمَا شِفَا ءُ الْعَیِّ السُّوالُ ؟(۷۰)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک شخص زخمی ہو گیا پھر اس کو جنابت کی وجہ سے غسل کی ضرورت پیش آئی اس نے فتویٰ طلب کیا تو اُسے فتویٰ دیا گیا کہ وہ غسل کرے پھر اس نے غسل کیا (جس کی وجہ سے) وہ مر گیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا لوگوں نے اُسے قتل کر دیا اللہ اُنہیں ہلاک کرے (اور پھر فرمایا) اُن کو جو بات معلوم نہ تھی اُسے انہوں نے دریافت کیوں نہ کر لیا؟ کیونکہ نادانی کی بیماری کا علاج سوال ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے زمانہ میں فقہ و فتاویٰ سے متعلق جملہ امور آپ کی ذات سے وابستہ تھے۔ قانون سازی ''فتاویٰ'' اور فیصلے وغیرہ کے فرائض آپ بنفس نفیس خود انجام دیتے تھے فقہ کی نہ باقاعدہ ترتیب و تدوین ہوئی تھی اور ضروریات زندگی کے محدود ہونے کی بناء پر نہ ہی اس کی ضرورت تھی۔ فتاویٰ کی تاریخ کے لحاظ سے یہ فتاویٰ کا اساسی اور پہلا دور ہے جو کہ ۱۷ رمضان ۱ھ نبوی سے ۱۱ھ تک بائیس سال دو ماہ بائیس دن پر محیط ہے۔ درحقیقت یہی دور فقہ وفتاویٰ کی اصل بنیاد ہے اور تمام فقہاء نے متفقہ طور پر اسی کو سند قرار دیا ہے۔(۷۱)

چنانچہ فتویٰ پوچھنے اور فتویٰ دینے کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے ہی سے شروع ہوتا ہے، چودہ صدیوں پر محیط طویل عرصے میں علماء نے اس شعبے کی دینی اہمیت کے پیش نظر اس کا خصوصی اہتمام کیا۔ آج عام طور پر افتاء کا جو طریقہ ہمارے ہاں رائج ہے وہ صرف جائز و ناجائز اور مباح و مندوب ، فرض و واجب، حلال و حرام وغیرہ کی صراحت کر دینے کا نام ہے لیکن رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسلوب افتاء اس سے مختلف تھا آپ کا کہنا اگرچہ بذات خود حجّت اور فتوی کا اصل معیار ہے، تاہم آپؐ صرف کہنے اور بتا دینے پر اکتفاء نہ فرماتے تھے بلکہ پیش آمدہ مشکلات کے حل کی وضاحت بھی فرما دیتے تھے ، اس سے اُمت کے بارے میں نہ صرف آپ کی شفقت و محبت کا اظہار ہوتا ہے بلکہ آپ کے اسلوبِ افتاء پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

بہترین جواب وہ ہے جو مدلل اور غیر مبہم ہو۔ محمد شفیق العانی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتاویٰ کی جامعیت اور ہمہ گیری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وکانت فتاوی الرسول فی حیاته جوامع الاحکام و ینبوعًا فیاضًا یُرجع الیها فی استنباط الفروع کما کانت احادیثهٗ وتقریراته منارًا یستضيءُ بهدیه الصحابة من بعده''(۷۲)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فتاویٰ اپنی زندگی میں صادر فرمائے وہ جامع ترین احکام پر مشتمل تھے اور فروعی مسائل کے استنباط کے سلسلے میں سرچشمہ کی حیثیت رکھتے تھے جیسا کہ آپ کی احادیث و تقریرات ایسے منارۂ نور ثابت ہوئیں تھیں کہ صحابہ کرامؓ آپ کے بعد آپ کے طریقہ سے روشنی حاصل کرتے رہے۔

کوئی شبہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتاویٰ کی حیثیت اسی قدر بلند ہے جس قدر آپ کی ذاتِ اقدس بلند تھی اور بلند سے بلند تر ہونی بھی چاہئے کیونکہ آپ خاتم النبیین تھے اور عصمت کی دولت سے نوازے ہوئے تھے۔ یہ ایک اصولی بات ہے کہ جواب کی جامعیت و کاملیت اور اس کے الفاظ کا جچا تلا ہونا جواب دینے والے کی علمی قابلیت اور اس کے منصب کے مطابق ہی ہوا کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی الٰہی کی روشنی میں فتویٰ دیا کرتے تھے کتاب اللہ کے بعد دوسرا درجہ پیروی کے لحاظ سے احادیث کا ہے اور آپ کے فتاویٰ بھی آپ کی احادیث ہی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ کے جوابات کی حیثیت ''جوامع الکلم'' اور ''فصل الخطاب'' کی ہے جس سے سرتابی کا خیال بھی ایک مسلمان کے لئے محال ہے۔

قرآن کریم کی تصریحات کے مطابق جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فیصلہ کو تسلیم نہ کرے وہ مسلمان کہلانے کا روا دار نہیں۔ قرآن کریم میں ہے: ''آپ کے پروردگار کی قسم یہ لوگ ایمان دار نہ ہونگے جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ آپ کر دیں اُس سے ان کے دل تنگ نہ ہوں اور اس کو پورا پورا تسلیم کرلیں''۔(۷۳) اسلامی قوانین کی دوسری بنیاد رسول اللہ کی اطاعت ہے۔(۷۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتاویٰ کے بارے میں ابن القیم لکھتے ہیں:

و اوَّل من قامَ بهذا المنصب الشريف سيد المرسلين ، وامام المتقين و خاتم النبيين ، وعبدالله و رسوله، و امينه علىٰ وحيه، وسفيرهُ بينه و بين عبادهٖ، فكان يفتى عن الله بوحيه المبين ، و كان كما قال لهُ احكمُ الحاكمين: ﴿قُلْ مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّ مَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾[ص: ۸٦]، فَكَانَتْ فتَاوِيْهِ ﷺ جَوامِعَ الاحكام، وَ مُشْتَمِلَةٌ عَلىٰ فصْلِ الخطابِ، و هى فى وجوب اتِّباعها و تحكيمها والتحاكم اليْها ثانية الكتاب ﷺو ليس لأحدٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْن العدولُ عنها ما وجد اليها سبيلاً، وَ قد أمر الله عباده

بالردإليها حيث يقول : ﴿ فَإِنْ تَنازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ أَحْسَنُ تأوِيْلاً" ﴿النساء: ۵۹﴾ (۷۵).

یعنی: سب سے پہلے اس عظیم منصب پر سید المرسلین امام المتقین خاتم النبین، عبداللہ اور رسول اللہ، امینِ وحی، خدا اور بندوں کے درمیان سفیر حضرت محمدﷺ فائز ہوئے اور آپ اللہ تعالیٰ کی وحی کی رہنمائی میں فتوے دیتے تھے۔ آپ ایسے ہی تھے جیسے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کی تعریف میں فرمایا ''آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے (اس قرآن) پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا ہوں اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں' آپ کے فتوے جامع احکام اور فیصلہ کن ارشادات پر محیط ہوا کرتے تھے۔ یقیناً پیروی کے وجوب اور جھگڑوں کے تصفیہ کے لحاظ سے کتاب اللہ کے بعد دوسرا درجہ آپ کے فتاویٰ کا ہے اور مؤمنین کے لئے کسی بھی صورت میں ان سے انحراف ممکن نہیں اور اسی بات کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ ''اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحبِ حکومت ہیں ان کی بھی، پھر اگر کسی بات میں تم میں باہم اختلاف ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہی بہتر ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے''۔

عہد رسالت میں استفتاء اور افتاء کے مختلف طریقے رہے اس مبارک عہد میں اکثر و بیشتر فتاویٰ کا سلسلہ زبانی طور پر رائج تھا۔ صحابہ کرام کو جب کبھی کوئی مسئلہ پیش آتا تھا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ کا حل دریافت کر لیا کرتے تھے اس کا جواب کبھی تو وحی متلو کے ذریعے مل جاتا اور کبھی وحی غیر متلو کی بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے فتویٰ دیتے تھے۔ صحابہ کرام اور دوسرے لوگوں کے سوالات کا ذکر قرآن کریم اور حدیث میں ''یَسْتَفْتُوْنَکَ''، ''یَسْئَلُوْنَکَ''، '' سألَکَ''، '' سألَ رجُلٌ '' وغیرہ صیغوں سے ملتاہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ کے صحابہ کرامؓ سے بہتر میں نے کوئی قوم نہیں دیکھی وہ بہت کم سوالات کرتے تھے صرف وہی سوالات کرتے جن پر انہوں نے عمل کرنا ہوتا۔ صحابہ کرامؓ نے صرف تیرہ مسائل سے متعلق سوالات پوچھے اور اُن سب کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ (۷۶)

رسول اللہﷺ سے پوچھے گئے سوالات وجوابات کا ذخیرہ مختلف کتب میں محفوظ ہے، چنانچہ علامہ

ابن القیم نے اپنی معروف کتاب ''أعْلَامُ الْمُوَقِعِین'' میں فتاویٰ امام المتقین ﷺ کے عنوان کے تحت مختلف موضوعات کے بارے میں دیے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ سو (۱۲۰۰) فتاویٰ کو جمع کیا ہے۔(۷۷)

☆مولانا سید اصغر حسین دیوبندی (م،۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء) نے بھی ''فتاویٰ محمدی مع شرح دیوبندی'' کے نام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سو بیس اور صحابہ و تابعین کے چالیس فتاویٰ کا اُردو میں ترجمہ کر کے شائع کرایا۔(۷۸)

صحابہ کرام کے لئے اگر بوجوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال پوچھنا ممکن نہ ہوتا تو ایسی صورت میں یہ حضرات آپس میں ایک دوسرے سے مسائل دریافت کرتے تھے ان میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے علم و فقہ میں بصیرت تامہ عطا فرمائی تھی۔ اور کئی ایک مسائل ایسے بھی ہوتے تھے جن کا علم کبار صحابہ کو بھی نہ ہوتا تھا، مثلاً مسائل تیمّم کا تفصیلی علم حضرت عمار وغیرہ کو تھا جبکہ حضرت عمر کو نہ تھا تاوقتیکہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت نہ کر لیا۔(۷۹) اسی طرح موزوں پر مسح کرنے کا حکم حضرت علیؓ اور حضرت حذیفہؓ کو معلوم تھا جبکہ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کو معلوم نہ تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے جب مسائل تیمّم کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے سائل کو حضرت علیؓ سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔(۸۰)

افتاء ایک اہم ذمہ داری:

افتاء ایک اہم ذمہ داری ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلاف اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے احتراز کرتے تھے اور جن کو وہ اپنے علم و عمل میں بلند و برتر سمجھتے، ان پر ذمہ داری ڈالنا چاہتے تھے پھر اس باب میں ان کا یہ حال تھا کہ اگر مطلوبہ مسئلہ کی صحیح صورت معلوم ہوتی تو بلا تکلّف بتا دیتے اور اگر معلوم نہ ہوتی تو برملا اظہار کر دیتے تھے کہ ہمیں یہ مسئلہ معلوم نہیں ہے کسی اور سے پوچھ لیا جائے۔

فتویٰ کی اہمیت و ذمہ داری کو واضح کرتے ہوئے علامہ ابو زکریا محیُّ الدّین بن شرف النووی (م،۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

اِعْلمْ اَنَّ الْاِ فْتاءَ عظيمُ الخَطرِ، كبيرُ الْمَوْقعِ، كثيرُ الْفضلِ لِاَنَّ الْمُفْتِي وارثُ الْاَنبيآءِ صلوٰتُ اللهِ وَ سلامُهُ عليهم ، و قَائمٌ بفرضِ الكفايةِ ، لكنَّهُ مُعرَّضٌ لِلْخطأِ ، ولهذا قالوا: اَلمُفْتى مُوَقِّعٌ عنِ اللهِ تعالىٰ ، ورَوِيْنا عنْ الْمنكدرِ قال ، اَلْعالِمُ بينَ اللهِ تعالىٰ وَ خَلْقِه

وَلْیَنْظُرْ کیفَ یدْخُلُ بینھُمْ.(۸۱)

یعنی جاننا چاہیے افتاء بڑی ذمہ داری کا کام ہے اور بہت زیادہ وقوع پذیر ہوتا ہے۔ یہ بڑی شان والا بھی ہے کیونکہ مفتی انبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام کا وارث ہے، اور فرض کفایہ کو ادا کرنے والا ہے، لیکن اسے غلطی لگنے کا خطرہ رہتا ہے، اسی وجہ سے لوگوں نے کہا ہے کہ مفتی اللہ کی طرف سے فرمان جاری کرنے والا ہے۔ ہم نے منکدر سے روایت نقل کی ہے کہ: ''عالم اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہے، اُسے چاہیے کہ خوب غور و فکر کرے کہ ان کے درمیان کس طرح کا واسطہ بنے۔

افتاء میں سلف صالحین کی کمال احتیاط:

منصبِ افتاء علم و عمل کی ایک خاص ذمہ داری چاہتا ہے ہر کس و ناکس کو فتویٰ دینے کا اختیار نہیں اور یہی وجہ تھی کہ سلف صالحین افتاء کے معاملے میں کمال احتیاط سے کام لیتے تھے اور حتی الوسع اس سے احتراز کرتے تھے، چنانچہ عطاء بن السائب نے عبد الرحمٰن ابن ابی لیلیٰ سے نقل کیا ہے:

قال: سمعتُ عبدالرّحمٰنِ بن ابی لیلیٰ یقولُ : ادرکْتُ فِی ھذا المسجد عشرین و مائۃً منَ الانَصارِ،وَ مَا منِھُمْ مِنْ احدٍ یُحَدِّثُ بِحدیثٍ اِلاَّ وَدَّ اَنَّ اَخاہُ کَفَاہُ الحدیث، وَلاَ یُسْالُ عنْ فُتْیا إلاَّ وَدَّ اَنَّ اخاہُ کَفاہُ الفُتْیَا ، وَ فِی رِوایۃٍ : ادْرکتُ مائۃً وَّ عشرینَ منَ الانصارِ مِنْ اصحابِ رسولِ اللہِ ﷺ یُسْالُ احدُھم عن المسأَلَۃِ فَیرُدُّ ھا ھذا اِلی ھذا و ھذا اِلیٰ ھذا حتَّی ترجِعَ اِلی الاوَّلِ.(۸۲)

حضرت عطاء بن سائبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰؒ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے اس مسجد میں ایک سو بیس(۱۲۰) انصاری صحابہ کرامؓ کو پایا اور میں نے انہیں دیکھا کہ ان میں سے اگر کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ دوسرے کے پاس بھیج دیتا اور وہ دوسرا تیسرے کے پاس حتیٰ کہ وہ مسئلہ سب کے پاس سے ہوتا ہوا پہلے صحابی کے پاس آ جاتا۔ اور اگر کوئی حدیث بیان کرنی ہوتی یا کوئی فتویٰ دینا ہوتا تو ہر ایک یہی چاہتا کہ کوئی دوسرا یہ حدیث بیان کر دے یا یہ فتویٰ دے دے۔

حضرت عمرؓ اور فتویٰ میں احتیاط:

حضرت عمرؓ فتویٰ دینے کے معاملہ بہت ہی محتاط تھے چنانچہ امام شعبی، ابوالحسن الازدی اور ابوحصین فرماتے ہیں: **قالوا اِنَّ اَحدَ کُمْ لَیُفْتیْ فِی الْمسئَلۃِ وَلوَرَدَتْ علَی عمر بن الخطاب لَجَمَعَ لَھَااھْلَ**

بدر۔(۸۳) کہ آج کل تم لوگوں کا یہ حال ہو گیا ہے کہ جو پوچھا جائے بتا دیتے ہو جب کہ اس طرح کا کوئی مسئلہ اگر حضرت عمرؓ کے سامنے آتا تھا تو آپ تمام بدری صحابہ کو جمع کرتے تھے اور ان سے دریافت فرماتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور فتویٰ میں احتیاط:

حضرت عبداللہ ابنِ عمرؓ کو تفقہ فی الدین میں کمال حاصل تھا، آپ کی ساری عمر فقہ و افتاء میں گذری۔ آپ کا شمار مدینہ منورہ کے مشہور اصحابِ فتاویٰ صحابہ کرام میں ہوتا ہے(۸۴) فقہ مالکی کا زیادہ تر دار و مدار حضرت عبد اللہ ابنِ عمر کے فتاویٰ پر ہے۔(۸۵) یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ فرماتے تھے کہ حضرت عبداللہ ابنِ عمر ائمۂ دین میں سے تھے،(۸۶) ان کے فتاویٰ کو اگر جمع کیا جائے ایک ضخیم جلد تیار ہو سکتی ہے۔(۸۷)

مگر اس تفقہ کے باوجود ''فتاویٰ'' میں بہت محتاط تھے، جب تک کسی مسئلہ کے متعلق پورا یقین نہ ہو تا فتویٰ نہ دیتے تھے۔ حافظ ابنِ عبد البرؒ لکھتے ہیں:

> ''وَكَانَ رَحِمهُ اللهُ مِنْ اهلِ الْوَرْعِ وَالعِلمِ وَكَانَ كَثِيْرًا الْاِ تِّبَاعِ لِاٰ ثَارِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ شَدِيْدَ التَّحَرِّىْ وَالْاِحْتِيَاطِ وَ التَّوَقِّىْ فِىْ فتْواهُ وَ كُلِّ مَا يَاْخُذُ بِهِ نَفْسُهُ.(۸۸)
>
> یعنی وہ بہت زیادہ متقی اور صاحب علم تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر سختی سے عمل کرنے والے تھے اور وہ اپنے فتاویٰ اور اعمال میں بہت سخت محتاط تھے خوب سوچ سمجھ کر کہنے اور عمل کرنے والے تھے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں:

اَفْتَى النَّاسَ سِتِّيْنَ سنةً یعنی حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ ساٹھ سال تک مسندِ افتاء پر فائز رہے اور لوگوں کو فتویٰ دیتے رہے(۸۹) اور اگر کوئی مسئلہ معلوم نہ ہوتا تو اپنی کسرِ شان کا لحاظ کئے بغیر نہایت صفائی کے ساتھ اپنی لاعلمی ظاہر کر دیتے۔ ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابنِ عمرؓ سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا، تو انہوں نے کہا مجھے اس کا علم نہیں جب اُس شخص نے پشت پھیری تو کہنے لگا! ابنِ عمرؓ بھی عجیب آدمی ہیں ان سے وہ بات پوچھی گئی جس کا انہیں علم نہیں، تو انہوں نے فرمایا ہاں مجھے اس کا علم نہیں۔(۹۰)

عَنْ عُقْبَةَ بنِ مُسلم : اَنَّ ابنَ عمر سُئِلَ عَنْ شَیْءٍ فَقَالَ لاَ ادْرِیْ ثُمَّ قال: اَتُرِيدُوْنَ انْ تَجْعَلُوا ظُهُورَنَا جُسُوْرًا فِىْ جهَنَّمَ ؟ تَقُوْلُوْنَ : اَفْتَانَابِهذَا اِبْنُ عمرؓ۔(۹۱) عقبہ بن مسلم کا بیان ہے کہ ایک شخص

نے ابنِ عمرؓ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا تو آپؓ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں، پھر فرمایا کیا تم ہماری پیٹھوں کو جہنم کا پُل بنانا چاہتے ہو؟ تاکہ تم کہہ سکو کہ ہمیں ابنِ عمرؓ نے یہ فتویٰ دیا۔

جب کبھی فتویٰ دینے کے بعد غلطی کا علم ہو جاتا تو بلا پس و پیش پہلے فتویٰ سے رجوع کر لیتے اور مستفتی کو صحیح فتویٰ سے آگاہ کر دیتے۔ ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن ابی ہریرہؓ نے آبی مُردار کے متعلق استفتاء کیا کہ اس کا کھانا جائز ہے کہ نہیں تو ابنِ عمرؓ نے عدمِ جواز کا فتویٰ دیا، بعد میں قرآنِ کریم منگوا کر دیکھا تو یہ حکم ملا: اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ۔(۹۲) تمہارے واسطے دریا کے جانوروں کا شکار اور ان کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے تمہارے او ر مسافروں کے فائدے کے لئے، حضرت نافع کہتے ہیں، اس کے بعد عبد اللہ بن عمرؓ نے مجھے عبد الرحمٰن ابنِ ابی ھریرہؓ کے پاس یہ کہلوا بھیجا کہ اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔(۹۳)

امام اعظم ابو حنیفہؒ اور افتاء:

امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں: لَوْ لاَ الْفَرَقُ مِنَ اللهِ تَعَالیٰ انْ يَّضِيْعَ الْعِلْمُ مَا اَفْتَيتُ،(۹۴) اگر مجھے اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہوتا کہ علم ضائع ہو جائے گا تو میں کبھی فتویٰ نہ دیتا۔

امام مالکؒ اور افتاء:

امام مالک رحمہُ اللہ بھی انتہائی احتیاط کے ساتھ فتویٰ دیتے تھے اور حتی الوسع اس سے بچنے کی کوشش کرتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ آپؒ سے اڑتالیس(۴۸) مسائل پوچھے گئے تو آپ نے ان میں سے صرف بتیس (۳۲) سوالات کے جوابات دیئے اور بقیہ کے بارے میں فرمایا: لا ادری۔(۹۵) ایک اور موقع پر آپؒ سے پچاس (۵۰) مسائل پوچھے گئے تو آپ نے ایک سوال کا بھی جواب نہ دیا اور فرمایا لاَ اَدْرِیْ(۹۶) یعنی مجھے معلوم نہیں۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں : مَنْ اَجابَ فِيْ مسئَلةٍ فينبغي قَبْلَ الجواب اَنْ يعْرِضَ نَفْسَهُ علىٰ الجَنَّةِ وَالنَّارِ وَ كَيْفَ يَكُوْنُ خَلاصُهُ فِيْ الآخِرَةِ ؟ ثُمَّ يُجِيبُ فِيْها۔(۹۷) یعنی جو شخص کسی مسئلہ کا جواب دینا چاہے اُسے چاہیے کہ جواب دینے سے قبل اپنے آپ کو جنت اور جہنم پر پیش کرلے (یعنی جنت و جہنم کا تصور قائم کرلے) اور سوچے کہ کل قیامت کے دن کیسے چھٹکارہ ملے گا ؟ پھر جواب دے۔

ابنِ وہبؒ امام مالکؒ کا قول نقل کرتے ہیں: الْعجْلةُ فِی الْفَتْویٰ نوعٌ مِنَ الْجَهْلِ وَالْخرقِ(۹۸) یعنی فتوی دینے میں جلدی کرنا ایک قسم کی جہالت اور حماقت ہے اور کبھی آپ یوں فرماتے تھے:

اَلتَّأَنِّی مِنَ اللہِ وَ الْعجلۃُ مِنَ الشَّیطٰان(۹۹) یعنی برد باری اور تحمّل اللہ کی عطاء ہے (یعنی کسی بھی معاملہ میں بردباری اور تحمّل سے کام لینا) اور عجلت پسندی شیطانی فعل ہے۔ امام مالکؒ کا یہ قول دراصل ایک حدیث کا حصہ ہے۔(۱۰۰)

امام مالکؒ فتویٰ دینے میں کس قدر محتاط تھے اس کا اندازہ ان کے اس قول سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے: **ما اجبتُ فی الفتویٰ حتیٰ سألتُ مَن ھو اعلم منی، ھل ترانی موضعاً لذلک ؟ سألت ربیعۃ ، و سألت یحی بن سعید فامرانی بذلک . فقیل لہٗ : یا عبد اللہ فلو نَھوک ؟ قال اَنْتَھِی۔**(۱۰۱) میں نے اس وقت تک فتویٰ دینا شروع نہیں کیا جب تک اپنے سے بڑے اہل علم سے دریافت نہیں کر لیا کہ وہ مجھے اس کا اہل سمجھتے ہیں یا نہیں؟ میں نے یہ سوال ربیعہ سے بھی کیا اور یحییٰ بن سعید سے بھی، چنانچہ ان دونوں نے مجھے اس کی اجازت دی۔ امام مالکؒ سے کہا گیا: اے اللہ کے بندے! بالفرض آپ کو یہ لوگ فتویٰ دینے سے روک دیتے تو؟ آپؒ نے فرمایا میں رُک جاتا۔

امام مالکؒ ہی سے ایک مسئلہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؒ نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں۔ بعض لوگوں نے کہا یہ تو بہت ہی آسان اور معمولی مسئلہ ہے۔ آپؒ یہ بات سن کر غضبناک ہوگئے اور فرمایا کوئی چیز معمولی نہیں۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا؟ **انّا سنلقی علیک قولاً ثقیلاً**(۱۰۲) علم سب کا سب ثقیل ہے اس کے بعد آپؒ نے فرمایا میں نے اس وقت تک فتویٰ نہیں دیا جب تک ستر علماء نے میرے بارے میں شہادت نہیں دے دی کہ میں فتویٰ دینے کا اہل ہوں اور کسی آدمی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنے آپ کو کسی شئ کا اہل سمجھے یہاں تک کہ اپنے سے بڑے اہل علم سے دریافت کرلے۔(۱۰۳)

امام شافعیؒ اور افتاء

ایک بار امام شافعیؒ سے کوئی سوال پوچھا گیا تو انہوں نے جواب نہ دیا جب اُن سے جواب نہ دینے کی وجہ پوچھی گئی تو آپؒ نے فرمایا میں اس وقت تک جواب نہیں دیتا جب تک مجھے معلوم نہ ہو جائے کہ خاموش رہنے میں بہتری ہے یا جواب دینے میں۔(۱۰۴)

امام احمد بن حنبلؒ اور افتاء

فتویٰ دینے کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی ان سے کوئی سوال پوچھا جاتا تو اکثر و بیشتر فرما دیتے تھے کہ مجھے معلوم نہیں۔ حضرت اثرمؒ فرماتے ہیں میں نے اکثر امام احمدبن حنبلؒ سے یہی سنا کہ جب بھی آپ سے سوال پوچھا جاتا تھا تو جواباً فرماتے تھے کہ

مجھے معلوم نہیں اور وہ اس لئے ایسا کرتے تھے کہ اس مسئلہ کے بارے میں دوسرے اہل علم کے اقوال معلوم کرسکیں۔ آپؒ ہی کا قول ہے:

منْ عَرضَ نَفسهُ لِلْفُتْيَا فَقد عرضها لامرٍ عَظِيمٍ اِلَّا انّهُ قد تُلجئی الضَّرورةُ وقيل لهُ ايُّهما افضل؟ الکلام اَو ا لامساکُ ؟ فقال: اَلْامْسَاکُ اَحبُّ اِلَیَّ الاّ لِضرورةٍ (۱۰۵)

یعنی اپنے آپ کو مفتی کے منصب کے لئے پیش کرنا ایک بہت بڑا بوجھ ہے، ہاں جب کوئی ضرورت مجبور کر دے تو اور بات ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ جب کوئی سوال کرے تو اس وقت جواب دینا بہتر ہے یا خاموش رہنا؟ تو انہوں نے کہا میرے نزدیک خاموشی بہتر ہے اِلّا یہ کہ کوئی ضرورت پیش آ جائے۔

سفیان ثوریؒ اور افتاء:

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ میں نے کبار فقہاء کو دیکھا کہ وہ مسائل کا جواب دینے اور فتویٰ دینے کو ناپسند کرتے تھے اِلّا یہ کہ کوئی ایسی صورت پیش آجاتی کہ جواب دیے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا تو اس وقت جواب دیتے تھے۔ وہ حضرات مسائل کو ایک دوسرے کی طرف بھیج دیتے تھے تاکہ کوئی دوسرا جواب دے۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: **اَعلمُ الناسَ بِالْفُتْيا اَسْكتُهُم عَنْها وَ اَجْهَلُهُم بِها اَنْطقُهمْ فِيهَا**۔(۱۰۶)

امام شعبی اور افتاء:

ایک دفعہ امام شعبیؒ سے سوال پوچھا گیا توانہوں نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں "**فقيل له الا تستحِيی من قولک: لا ادری وانت فقيه اهل العراق ؟ فقال : لکن الملائكة لم تستح حين قالوا: ﴿لاعِلْمَ لَنا إلاّ مَا عَلَّمْتَنا﴾**۔(۱۰۷) تو اُن سے یہ کہا گیا کہ آپ کو یہ کہتے ہوئے شرم محسوس نہیں ہوتی؟ حالانکہ آپ تو اہل عراق کے ایک بڑے فقیہ ہیں، تو امام شعبی نے جواب دیا کہ فرشتوں کو تو یہ کہتے ہوئے شرم محسوس نہیں ہوئی تھی جب انہوں نے یہ کہا تھا ہم کو کوئی علم نہیں مگر وہی جو کچھ جو آپ نے ہمیں سکھایا۔

افتاء میں احتیاط کے بارے میں ابوالذیالؒ کی اہم نصیحت:

افتاء میں احتیاط کے بارے میں ابوالذیالؒ کی نصیحت بڑی اہمیت کی حامل اور سبق آموز ہے وہ فرماتے ہے: **تَعلَّم لاَ اَدری، فانّک قلتَ لاَ اَدْری علّموکَ حتیٰ تدریْ وَانْ قلتَ ادریْ سالُوک حتّیٰ لاَ تدری**۔(۱۰۸) یعنی لاادری (مجھے معلوم نہیں) کہنا سیکھ لو، کیونکہ اگر تم کہو گے کہ مجھے معلوم

نہیں تو لوگ تمہیں سکھائیں گے یہاں تک کہ تمہیں معلوم ہو جائے اور تم نے کہا میں جانتا ہوں تو لوگ تم سے سوال پوچھیں گے یہاں تک کہ تیرا علم ختم ہو جائے۔

مفتی کے لئے ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں، جب تک مفتی کو شرح صدر نہ ہو جواب نہ دے اور اسے لاادری کہنے میں کبھی شرم محسوس نہیں کرنی چاہیے۔ اگر کسی سوال کا جواب معلوم نہ ہو تو اس کا برملا اظہار کر دینا چاہیے کہ مجھے معلوم نہیں۔ حضرت عبد اللہ ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے:

قال: اِن الَّذِی یُفْتی النَّاسَ فیْ کُلِّ ما یُسْتفْتیٰ لمجنونٌ ، وَ فیْ روایةٍ ، فی کُلِّ ما یَسْتفْتُونَهُ فهو مَجْنُونٌ. (۱۰۹)

فرماتے ہیں بلا شبہ وہ شخص مجنون ہے جو لوگوں کو ان کے ہر ایک سوال کا جواب دیتا ہے۔

مفتی کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واقعہ ہمیشہ رہنا چاہیے۔ آپ ﷺ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ کون سی جگہیں بری ہیں؟ آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں جب حضرت جبریل علیہ السلام آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کون سی جگہیں بری ہیں؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا مجھے معلوم نہیں میں اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے پوچھوں گا۔ حضرت جبریل علیہ السلام چلے گئے اور اُس وقت واپس تشریف نہیں لائے جب تک اللہ نے چاہا، پھر جب دوبارہ آئے تو فرمایا اے محمد آپ نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ کون سی جگہیں بری ہیں؟ اور میں نے کہا تھا مجھے معلوم نہیں میں نے اللہ تعالیٰ سے اس کے بارے میں دریافت کیا کہ کون سی جگہیں بری ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''بازار''۔(۱۱۰)

فتویٰ کون اور کس وقت دے؟

علماء نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ مفتی کے لئے کس وقت فتویٰ دینا جائز ہے اور کس وقت ناجائز اور کون شخص فتویٰ دینے کا اہل ہے؟ چنانچہ اس بارے میں درج ذیل اقوال ملتے ہیں:-

۱- جب کسی شہر میں ایک ہی مفتی ہو اس وقت اُس مفتی کے لئے فتویٰ دینا فرض ہے۔

۲- جب کسی شہر میں ایک سے زائد مفتی ہوں تو اس وقت اُس مفتی کے لئے فتویٰ دینا فرض کفایہ ہے چاہے ایک مفتی سے سوال پوچھا جائے یا دونوں سے۔

۳- جاہل کے لئے ہر حال میں فتویٰ دینا حرام ہے۔(۱۱۱)

قرآن کریم میں بھی بغیر علم کے فتویٰ دینے والوں کے بارے میں سخت وعید کا ذکر آیا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَلاَ تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُکُمُ الْکَذِبَ ھٰذَا حَلٰلٌ وَّ ھٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ، اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ۔** اور یونہی جو جھوٹ تمہاری زبانوں پر آجائے مت کہہ دیا کرو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں حرام۔ یوں تم اللہ پر جھوٹی تہمت لگا دو گے بیشک جو لوگ اللہ پر جھوٹی تہمتیں لگاتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے''۔(۱۱۲)

اصول افتاء:

اصول افتاء جنہیں ادلۂ شرعیہ اور فقہ اسلامی کے مآخذ بھی کہا جاتا ہے، یہ وہی اصول ہیں جن پر ائمۂ مجتہدین نے اپنے اپنے فقہی مسالک کی بنیاد رکھی ہے مثلاً احناف کے نزدیک ان کی تعداد پانچ، مالکیہ کے ہاں بیس، شوافع کے نزدیک چار جبکہ حنابلہ کے ہاں آٹھ ہے اور وہ اصول یہ ہیں:

قرآن کریم، سنت، اجماع، قیاس، استحسان، آثار صحابہ، شرائع من قبلنا ،استصلاح یا مصالح مرسلہ ، تعامل، عرف و رواج، سدّ ذرائع، احتیاط، ضرورت، استصحاب اور ملکی قوانین۔(۱۱۳)

شرائط افتاء

اجتہاد کی صلاحیت مفتی کے لئے بنیادی شرط ہے۔ چنانچہ علمائے اصول فقہ نے فقہ کی جو تعریف کی ہے اس کی رو سے فقیہ اور مفتی دونوں کا مجتہد ہونا ضروری ہے۔(۱۱۴)

فتاویٰ عالمگیری کے مقدمہ میں سید امیر علی ملیح آبادی لکھتے ہیں ''مجتہد ہی مفتی ہوتاہے یعنی فتویٰ دینا حقیقت میں فقط مجتہد ہی کا کام ہے اور جو مجتہد نہیں بلکہ مجتہدوں کے اقوال اس کو یاد ہیں وہ حقیقی مفتی نہیں''۔(۱۱۵)

فتاویٰ عالمگیری ہی میں دوسری جگہ ہے: **واجْمعَ الفقهاءُ علیٰ اَنَّ المُفْتی یَجب اُنْ یکونَ مِنْ اهْلِ الاجْتِهادِ ، وَ اِنْ لمْ یکنْ مِنْ اَهْلِ الاجْتهَادِ لاَ یَحِلُّ لهٗ انْ یُفْتیَ اِلَّا بِطَرِیْقِ الحکایةِ فیحکی ما یَحفظُ مِنْ اقوالِ الفقهاء۔**(۱۱۶) یعنی فقہاء کا اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ مفتی کے لئے ضروری ہے کہ اس میں اجتہاد کی صلاحیت ہو اور جو مفتی اجتہاد کا اہل نہیں ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ فتویٰ دے اِلّا یہ کہ بطور نقل حکایت فقہاء کے اقوال کو بیان کر دے جو اس کو یاد ہوں۔

فتح القدیر اور ردّ المحتار میں بھی اسی طرح کی شرائط کا ذکر کیا گیا ہے۔''علماء اصول کے ہاں یہ بات طے شدہ ہے کہ مفتی وہی ہو سکتاہے جو مجتہد ہو اور رہا وہ شخص جو غیر مجتہد ہے اس کو صرف مجتہدین کے اقوال یاد ہیں وہ در حقیقت مفتی نہیں۔ ایسے شخص کیلئے ضروری ہے کہ جب اس سے مسئلہ

دریافت کیا جائے تو بطور حکایت کسی مجتہد کے قول کو نقل کر دے‘‘۔(۱۱۷)

اجتہاد کے علاوہ فقہاء نے افتاء کے لئے اور بھی کئی شرائط کا ذکر کیا ہے مثلاً منصب افتاء کے لئے ضروری ہے کہ مفتی وجوہ تاویل سے آگاہ ہو، قرآن و سنت اور ادلہ شرعیہ پر اس کی وسیع نظر ہو، ناسخ و منسوخ، محکم متشابہ، شانِ نزول وغیرہ سے بخوبی واقف ہو، اس کو حدیث کی اسناد کا علم ہو، صحابہ اور علماء سلف کے فتاویٰ و اقوال سے آگاہی رکھتا ہو، اجتہاد اور قیاس کی باریکیوں کو سمجھتا ہو، فقہ میں بصیرت تامہ حاصل ہو۔ مفتی نے معتبر اساتذہ سے علم فقہ حاصل کیا ہو اور ماہر اساتذہ کا تربیت یافتہ ہو۔

پھر قدیم اور جدید علمی ذخیرہ پر اِطلاع و واقفیت کے ساتھ اہل زمانہ کی طبائع سے بھی واقفیت ہو’’عرف‘‘ سے بھی باخبر ہو جس کو فقہاء نے بڑی اہمیت دی ہے اور اس کا لحاظ کیا ہے، ’’تیسیر‘‘ کے حدود کی نگہداشت اور عموم بلویٰ کی صحیح تعریف، اور فقہی شرائط سے آگاہی ، اپنے زمانے کے معاملات و عقود، تعلقات کی نوعیت، ایجاداتِ نو کی شرعی حیثیت، تغیراتِ زمانہ اور ان کے شرعی احکام سے واقفیت اور ان کے لحاظ کی حدود سے آگاہی، اور سب سے بڑھ کر مقاصدِ شریعت اور حکمت تشریع کا علم بھی ضروری ہے، جو استنباط مسائل کی رُوح اور قیاس و استحسان اور مصالح مرسلہ کی نگہبان و پاسبان ہے۔

☆مفتی کو اس بات کا بھی علم ہونا چاہیے کہ مختلف مراکز اور شہروں میں علماء کی اس مسئلہ کے بارے کیا رائے ہے وغیرہ۔ اس کے علاوہ بھی افتاء کے آداب و شرائط ہیں اس سلسلے میں سب سے اہم، بنیادی اور ضخیم کتاب حافظ شمس الدین ابن القیم الجوزی کی **أعلام الموقعین عن ربّ العالمین** ہے جس میں تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں عہد رسالت، عہد خلافتِ راشدہ، اور قرون خیر القرون کے قُضاۃ اور اہل افتاء کا ذکر ہے۔(۱۱۸)

مفتی کے امتیازی اوصاف وشرائط

دینی مناصب و فرائض اگرچہ سب اہم، نازک اورعظیم ذمہ داری کے کام ہیں اور ان کے لئے بڑی صلاحیتوں،علم و باخبری اور احسا س ذمہ داری کی ضرورت ہے۔لیکن اِن فرائض اور دینی مناصب میں سے سب زیادہ وسیع، نازک اور پیچیدہ کام جس کے لئے صرف علم و ذہانت، مُطالعہ کی وُسعت، صلاح و تقویٰ، امانت و دیانت اور ذکاوت و ذہانت اِس موضوع سے گہری مناسبت، رسوخ فی العلم و رسوخ فی الدین، کتاب وسنت، فقہ و اصول فقہ میں خصوصی مہارت ہی کی ضرورت نہیں بلکہ طبعِ سلیم،

فہمِ مستقیم، فطرت صحیحہ جس کو حقائق تک بلاکد و کاوش رسائی ہو جاتی ہو اور جس میں اعتدال و توازن کا مادہ ودیعت کیا گیا ہو، کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ علم جس کے لئے اتنی صفات و شرائط درکار ہیں اور جس کا کام اتنا نازک اور پیچیدہ ہے ''علم افتاء'' ہے۔

فقہ و حدیث کی متعدد کتب میں مفتی کی امتیازی اوصاف و شرائط کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ ملتاہے[۱۱۹] چیدہ چیدہ چند اوصاف پیش خدمت ہیں۔

۱- مفتی کی امتیازی اوصاف و شرائط کے بارے میں علامہ نووی، ابن الصلاح اور احمد بن حمدان کی ایک جیسی تحریریں ملتی ہیں:

القولُ فی شروط المفتی وصفاتِہ: امّا شروطہٗ و صفاتہٗ فھو ان یکون مکلفاً مُسلماً ثِقة، ماموناً منزّھاً من اسباب الفسقِ و خوارم المروة، و مُسْقطات المُروّة ، لانَّ منْ لمْ یکنْ کذلک ، فقولہٗ غیر صالح للاعتماد ، واِنْ کانَ مِن اھل الاجتھاد و یکون فقیه النفس، سلیم الذھن ،رصین الفکر ، صحیح التصرف والاستنباط ،متیقظاً[۱۲۰]

یعنی مفتی کی شرائط و اوصاف میں سے چند ایک یہ ہیں کہ مکلّف مسلمان ہو، قابل بھروسہ ہو، مامون ہو ، اسباب فسق سے پاک ہو، اور مروّت ختم کردینے والی چیزوں سے دور ہو، اس لیے کہ جو اِن صفات و شرائط کاحامل نہیں ہے اس کا قول قابلِ اعتماد نہیں اگرچہ اس کے اندر اجتہاد کی صلاحیت ہی کیوں نہ موجود ہو۔ اس کے علاوہ فقیہ النفس، سلیم الذہن اورمحفوظ فکر کا مالک ہوصحیح تصرف اور احکام کے استنباط کی صلاحیت اس میں موجود ہو اور بیدار مغز ہو۔

۲- فتاویٰ عالم گیری میں بھی تقریبا اسی طرح کی شرائط کا ذکر ہے۔[۱۲۱]

۳- مفتی کے لئے ضروری ہے کہ اس کو افتاء کی ذمہ دراری کا احساس ہو استفتاء کا جواب دینے اور لکھنے میں پوری بصیرت سے کام لے، خوب سوچ سمجھ کر جواب دے اور اگر جواب معلوم نہ ہو تو **لاادری** کہہ کر سائل کو دوسرے علماء سے رجوع کرنے کا مشورہ دے محض اپنے مفتی ہونے کا رعب و بھرم برقرار رکھنے کے لئے غلط جواب نہ دے۔

۴- مفتی کے پیشِ نظر ہر وقت حضرت عبدا للہ ابن مسعودؓ کا یہ قول رہنا چاہئے، ''اے لوگو اللہ سے ڈرو! تم میں سے جو کوئی کسی بات کو جانتا ہو اسی کو کہے اور جو نہیں جانتا تو یوں کہے! اللہ تعالیٰ خوب اچھی طرح جانتے ہیں، بے شک اللہ نے تمہیں یہی تعلیم دی ہے کہ جو بات تم میں سے کوئی نہ جانتا

ہو اس کے لئے اللّٰہُ اعلمُ کہہ دے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا! آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس قرآن پر نہ کچھ معاوضہ چاہتا ہوں اور نہ میں بناوٹ کرنے والا ہوں"۔[۱۲۲]

۵- اگر کوئی شخص فاسق ہو تو فقہاء کی تصریحات کے مطابق وہ شخص منصبِ افتاء کا اہل نہیں جیسا کہ علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ اگر مفتی فاسق ہو تو وہ مفتی نہیں ہو سکتا۔ اس قول کو متاخرین نے اختیار کیا ہے اور اسی پر اُن کا اتفاق ہے،[۱۲۳] اس کے علاوہ دیگر علماء نے بھی تصریح کی ہے کہ فاسق مفتی نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ مجتہد مُطلق ہی کیوں نہ ہو ہاں وہ خود اپنے اجتہاد و فتویٰ پر عمل کر سکتا ہے لیکن مستفتی کے لئے ایسے مفتی سے سوال کرنا جائز نہیں اور نہ فاسق مفتی کے لئے فتویٰ دینا جائز ہے۔[۱۲۴]

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کے جب تک کسی مفتی میں پانچ خوبیاں نہ ہوں وہ اپنے آپ کومسند افتاء کا اہل سمجھنے کی جرأت نہ کرے وہ پانچ خوبیاں یہ ہیں:

۱- نیت صالحہ : کیونکہ نیت صالحہ در اصل ہر کام کی جان اور روح ہے۔

۲- حلم، وقار اور سکینہ: حلم علم کی زینت، رونق اور جمال ہے۔ طیش، جلد بازی، عجلت پسندی اور غیر مستقل مزاجی یہ سب چیزیں حلم کے خلاف ہیں۔

۳- بصیرت اور مہارت تامہ: کیونکہ اگر علم میں مہارت تامہ اور اپنی بصیرت پر اعتماد نہ ہو تو وہ دوسروں کی رہنمائی کیا کرے گا ؟

۴- ذرائع معاش: اگر اس کے اپنے ذرائع معاش نہ ہوں تو لوگ اُسے ٹکڑے ڈالیں گے اور اگر وہ فقیر اور حاجتمند ہوا تو لوگوں کی طرف جھکے گا اور ان کے ہاتھوں کی طرف دیکھے گا اور انکی جیبیں ٹٹولے گا حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے تھے"**لولا ذلک لتمندّلَ بنا هؤلاء**" اگر یہ مال نہ ہوتا تو یہ امیر لوگ ہمیں اپنے ہاتھ صاف کرنے کا رومال بنا لیتے۔

۵- احوال زمانہ سے واقفیت: مفتی کو عوام کے مزاج اور مختلف عادات کا علم ہو ورنہ وہ بہت سی جگہوں پر فساد برپا کر دے گا کیونکہ ظالم مظلوم کی صورت اختیار کر کے آئے گا اور دھوکہ دے جائے گا اور مظلوم مفتی کی نگاہ میں ظالم ہوگا اور وہ انصاف کے حق سے محروم ہو جائے گا کیونکہ تغیر زمانہ کے ساتھ فتویٰ بھی متغیر ہوجاتا ہے، زمان و مکان اور احوال و اشکال کا معاملے پر اثر پڑتا ہے۔[۱۲۵]

مفتی اور قاضی میں فرق:

مفتی اور قاضی کے درمیان فرق کے بارے میں علماء کے دو طرح کے اقوال ملتے ہیں:

۱- پہلا قول یہ ہے کہ مفتی کی ذمہ داری قاضی کی بہ نسبت زیادہ ہے۔

چنانچہ ابو عثمان کا قول ہے کہ قاضی کا گناہ بہ نسبت مفتی کے ہلکا ہے اور وہ سلامتی کے بھی زیادہ قریب ہے اس لئے کہ مفتی کو فورًا جواب دینا پڑتا ہے جبکہ قاضی کو سوچنے اور غور کرنے کا موقع ملتا ہے ظاہر ہے جتنا سوچنے اور غور وفکر کرنے کا موقع ملے گا اتنا ہی حق وصواب ظاہر ہو گا۔(۱۲۶)

شیخ محمد علاء الدین ، علامہ ابن عابدین اور ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی قاضی اور مفتی کے درمیان فرق کے بارے میں ایک جیسی تحریریں ملتی ہیں:

وحَاصِلُ ماذکرالشیخ قاسمُ فی تصحیحہٖ اَنّہٗ لاَ فرقَ بین القاضی الا اَنَّ المفتی مُخبرٌوالقاضی مُلزم بہٖ،(۱۲۷) یعنی مفتی اور قاضی میں صرف اتنا فرق ہے کہ مفتی اطلاع دینے والا ہوتا ہے اور قاضی اُسے لازم کرنے والا۔

ان عبارات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مفتی کی ذمہ داری قاضی سے زیادہ ہے کیونکہ فقہاء نے جہاں قاضی کی شرائط کا ذکر کیا ہے وہاں اس امر کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ قاضی مفتی کے فتویٰ پر فیصلہ دے سکتا ہے بشرطیکہ مفتی نے قضاء کی بنیاد پر فتویٰ دیا ہو اس لئے کہ مفتی کا منصب دراصل دیانت کی بنیاد پر فتویٰ دینا ہے جیسا کہ علامہ ابن عابدین نے لکھا ہے: **المفتی یُفتی بالدِیانۃِ وَالقاضی یقضی بالظاھر دَلَّ علیٰ انَّ الجاھل لایمکن القضاءُ ولا الفتویٰ۔**(۱۲۸) یعنی مفتی کے فتویٰ کی بنیاد دیانت داری ہوتی ہے اور قاضی ظاہری صورت حال کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اس سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ جاہل شخص نہ منصب قضاء کا اہل ہے اور نہ ہی منصبِ افتاء کا۔

۲- دوسرا قول یہ ہے کہ قاضی کی بہ نسبت مفتی سلامتی کے زیادہ قریب ہے اس لئے کہ وہ اپنے فتووں کو لازم نہیں کرتا، وہ توصرف سائل کو جواب دیتا ہے، جو چاہے قبول کرے جو چاہے رد کرے۔ لیکن قاضی کا فیصلہ تو اٹل ہوتا ہے البتہ حکم کی خبر دینے کی حد تک تو دونوں کی حالت یکساں ہے لیکن قاضی کے حکم کے بعد اس کا نہ ماننا ناممکن ہونے کی وجہ سے اس کا خطرہ بڑھا ہوا ہے اسی لئے قاضی کے حق میں جو وعید آئی ہے اس جیسی وعید مفتی کے بارے میں نہیں آئی۔(۱۲۹)

قاضی کے بارے میں چند احادیث ملاحظہ ہوں:-

۱- جوشخص لوگوں کے درمیان قاضی بنایا گیا تو گویا اس کو بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔(۱۳۰)

۲- قیامت کے دن عادل اور منصف قاضی کے لئے ایک لمحہ ایسا آئے گا جس وقت وہ اِس خواہش کا اظہار کرے گا کہ کاش اس کو دو آدمیوں کے درمیان ایک کھجور کے قضیہ کا بھی فیصلہ کرنے کی ذمہ داری انجام نہ دینا پڑتی۔(۱۳۱)

۳- قاضی تین طرح کے ہوتے ہیں دو دوزخ میں جانے والے اور ایک جنت میں، جنت میں جانے والا قاضی وہ ہے جس نے حق کو پہچانا اور پھر حق ہی کے مطابق فیصلہ کیا اور جس نے حق کو پہچانا مگر اپنے حکم و فیصلہ میں ظلم کیا یعنی دیدہ و دانستہ حق کو پامال کیا وہ دوزخی ہو گا، اسی طرح جو شخص اپنی جہالت کی وجہ سے حق کو نہ پہچان سکا اور اسی حالت میں لوگوں کے تنازعات کا فیصلہ کرتا رہا تو وہ بھی دوزخی ہے کیونکہ اس نے حق شناسی میں کوتاہی اور تقصیر کی۔(۱۳۲)

نا اہل مفتی اور حکومت اسلامیہ کی ذمہ داری!

منصب افتاء علم وعمل کی ایک خاص ذمہ داری کا تقاضا کرتا ہے ہر کس و ناکس کو فتویٰ دینے کا اختیار نہیں اور نہ ہی وہ اس منصب کا اہل ہے۔ اگر ارباب حکومت نے نا اہل شخص کو اس منصب پر فائز کر دیا یا ایسے مفتی کے خلاف تادیبی کاروائی نہ کی تو اس کا وبال ارباب حکومت پر ہو گا۔

علامہ ابن القیمؒ نااہل مفتی کے بارے میں لکھتے ہیں:

من افتیٰ ولیس بأھل للفتویٰ فھوعاص،و من أ قرّہٗ من ولاۃ الأمورعلیٰ ذالک فھو آثمٌ ... وکان شیخنا رضی اللہ تعالی(۱۰۳) شدید الانکار علی ھؤلاء ، فسمعتہ یقول : قال لی بعض ھؤلاء أ جعلت محتسباً علی الفتویٰ ' فقلتُ لہٗ یکونُ علی الخبازین والطباخین محتسبٌ و لایکون علی الفتویٰ محتسب؟.(۱۳۴)

یعنی جس شخص نے اپنی نااہلی کے باوجود فتویٰ دینے کی جرأت کی تو وہ گنہگار ہے اور حکام میں سے جس نے ایسے نااہل مفتی کا تقرر کیا وہ بھی گنہگار ہو گا اور ہمارے شیخؒ (علامہ ابن تیمیہ) ایسے لوگوں کو سخت ناپسند کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ روٹیاں پکانے والوں اور باورچیوں پر تو نگران متعین ہیں اور جاہل مفتیوں پر نگران کیوں نہ متعین کیا جائے؟

امام احمد حرانی نااہل مفتی کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حکام کو چاہیے ایسے لوگوں کواس منصب سے دور کر دیں جیسے بنو اُمیہ کے حُکام نے کیا تھا یہ

تو ایسے لوگ ہیں کہ راستوں پر بیٹھ گئے اور علم تو ہے نہیں اور جو سوار نکلا اس کو بتلا دیا کہ فلاں جگہ تمہیں جانا ہے تو اس راستے پر چلے جاؤ حالانکہ خود ہی راستہ نہیں جانتا اور اس کی مثال اس طبیب کی سی ہے جو طب کا ایک حرف نہ جانتا ہو، لیکن مطب کھول لے۔ بلکہ یہ نااہل مفتی سب سے بدتر ہے جہاں حُکام کا یہ فرض ہے کہ وہ کسی اَن پڑھ کو حکمت اور دوا فروخت کرنے کی اجازت نہ دیں تو کیا یہ فرض نہیں کہ ایسے جاہلوں کو بھی فتویٰ نویسی اور مفتی بن جانے سے روک دیں جن کو قرآن و سنت کاعلم نہ ہو۔(۱۳۵)

علماء و فقہاء کی ان تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ نا اہل مفتی کو فتویٰ نویسی سے روکے اور اگر پھر بھی وہ مفتی باز نہ آئے تو اس کو سخت ترین اور عبرت ناک سزا دینی چاہئے تاکہ دوسرا کوئی شخص اس طرح کی جسارت نہ کرے کیونکہ ایسے شخص کے مفتی بننے میں بے شمار مفاسد ہیں جیسا کہ علامہ نووی اور دیگر فقہائے کرام نے لکھا ہے۔(۱۳۶)

اگر حکومت نے نااہل مفتی کو فتویٰ دینے سے نہ روکا تو وہ بھی اس مفتی کے گناہ میں برابر کی شریک ہو گی۔ نا اہل مفتی کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی ڈاکٹر یا طبیب علم طب سے ناواقف ہو اس کو مرض کی تشخیص کرنا ہی نہیں آتی اور علاج شروع کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے طبیب کو نہ صرف علاج کرنے سے روکا ہے بلکہ مریض کو نقصان پہنچنے کی صورت میں ایسے طبیب کو ضامن ٹھہرایا گیا ہے: **قال رسول اللہ ﷺ منْ تطبَّبَ، و لم یُعلم منه طبٌّ قبل ذلک، فھو ضامنٌ**۔(۱۳۷) یعنی وہ طبیب مریض کو پہنچنے والے نقصان کا مالی تاوان ادا کرنے کا شرعاً پابند ہے اور ایسا شخص اسلامی قانون کی رو سے مجرم ہے اور یہی حال نااہل مفتی کا ہے۔

نااہل مفتی کے بارے میں علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

''خلیفہ کا فرض ہے کہ وہ فتویٰ نویسی کے لئے علماء اور مدرسین میں سے کسی قابل عالم کو منتخب کرے اور فتوے اس سے لکھوائے جو فتویٰ لکھنے کا اہل ہو پھر اس کے کام پر اس کی پوری مدد کرنی چاہئے اور اس کے لئے ہر ممکن سہولت مہیا کرے۔ نااہل مفتیوں کو فتویٰ نویسی سے روک دے اور ان پر سختی سے پابندی لگا دے، کیونکہ فتویٰ نویسی مسلمانوں کی اصلاحات کا بنیادی ستون ہے جس کی حفاظت و نگہداشت خلیفہ پر واجب ہے تاکہ اس میں نااہل دخل نہ دینے پائیں اور لوگوں کو گمراہ نہ کریں اس لئے حاکم وقت مفتیوں کو خوب جانچ پڑتال کر کے مقرر کرے اور اجازت دینے نہ دینے میں مصلحت مدّنظر رکھنی

چاہئے،،۔ (۱۳۸)

کیا عورت مسند افتاء پر بیٹھ سکتی ہے؟

فقہاء کی عبارات سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت مسندا فتاء پر بیٹھ سکتی ہے منصب افتاء کے لئے مرد ہونا ضروری نہیں بلکہ مرد ، عورت اور غلام ، حتیٰ کہ گونگا بھی مفتی بن سکتا ہے جیسا کہ ابن الصلاح نے صراحت کی ہے: **لاَ یُشترط فی المفتی الحرّیۃُ و الذکورۃُ کما فی الرای ...ولابأس باَن یکون المفتی اعمیٰ ، او اخرس مفھوم الاشارۃ او کاتباً۔** (۱۳۹)

علامہ ابن القیم کی رائے یہ ہے کہ فتوی میں شہادت کی بہ نسبت زیادہ وسعت ہے لہذا غلام، آزاد، عورت، مرد، رشتہ دار، غیر رشتہ دار، اجنبی، پڑھا لکھا، ان پڑھ، گونگا، بولنے والا، دوست، دشمن سب کے لئے فتویٰ دینا جائز ہے۔ (۱۴۰)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: **لا یُشترطُ اَن یکون حرًّا، و لا ذکرًا و لا ناطقًا فیصحُّ افتاءُ الاَخرسِ حیث فھمتْ اشارتُہٗ بل الناطق ان قیل لہ أیجوزُ ھذا فحرک رأسہٗ اَیْ نعمْ جاز اَن یُّعمل باشارتہٖ۔** (۱۴۱)

ان کے علاوہ علامہ نووی، امام احمد حمدان اور علامہ حصکفی کی تحریروں میں بھی اسی طرح کی تصریحات ذکر کی گئی ہیں۔ (۱۴۲)

کیا مفتی کے فتویٰ سے کوئی چیز حلال یا حرام ہو جاتی ہے؟

جب آدمی کو معلوم ہو کہ فتویٰ اور ہے اور حقیقت اس کے خلاف ہے تو اس وقت جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس فتویٰ پر عمل نہ کرے۔ جس طرح قاضی کا خلاف واقعہ فیصلہ بے سود ہوتا ہے حقیقت کو تبدیل نہیں کر سکتا اسی طرح صرف مفتی کے فتویٰ دے دینے سے کوئی چیز حلال و حرام نہیں ہو جاتی، بالفرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اگر کسی وقت خلاف واقعہ کوئی فیصلہ سرزد ہوجائے تو اس صورت میں وہ شخص، جس کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہوا ہے اس کے لئے اس چیز کو لینا جائز نہیں جس کی صراحت خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے:

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دروازے پر جھگڑے کی آواز سنی تو آپ جھگڑا کرنے والوں کی طرف گئے اور فرمایا اس میں کوئی شک نہیں میں ایک انسان ہوں اور تم اپنے قضیے میرے پاس لیکر آتے ہو اور ممکن ہے تم میں سے کوئی

شخص اپنے دلائل پیش کرنے میں فریق مخالف سے زیادہ فصیح و بلیغ ہو اور میں اُس کا مدلل بیان سن کر اسی کے مطابق فیصلہ کر دوں کیونکہ میں اس کو سچا سمجھ رہا ہوں۔ لہذا وہ شخص جس کے حق میں، میں کسی ایسی چیز کا فیصلہ کر دوں جو حقیقت میں اس کے مسلمان بھائی کی ہو تو اس چیز کو نہ لے کیونکہ ایسی صورت میں گویا میں اس کے حق میں آگ کے ایک ٹکڑے کا فیصلہ کروں گا۔(۱۴۳)

علامہ ابن القیم لکھتے ہیں:

والمفتی و القاضی فیھا سواءٌ، و لا یظنُّ المستفتی اَنَّ مجرّد فتوی الفقیه تُبیح لهُ ما سأل عنه اذا کان یعلم اَنّ الامر بخلافهٖ فی الباطن ، سواءٌ تردَّدَ او حاک فی صدرهٖ لعلمه بالحال فی الباطن ، او لشکّهٖ فیه ، او لجهله به ، او لعلمه جهل المفتی او محاباته فی فتواه او عدم تقییدهٖ بالکتاب والسنة او لأنَّهُ معروفٌ بالفتویٰ بالحیل و الرُّخص المخالفة للسُّنة وغیر ذالک من الاسباب المانعة من الثقة بفتواهُ.(۱۴۴)

یعنی اس معاملہ میں مفتی اور قاضی دونوں برابر ہیں۔ مستفتی کے لئے ہر گز جائز نہیں کہ وہ یہ سمجھے کہ صرف مفتی کے فتوے سے اس کے لئے وہ چیز مباح ہوگئی ہے جس کے بارے میں سوال کیا تھا، جبکہ اُسے معلوم ہو کہ واقعہ اس کے خلاف ہے، برابر ہے کہ اس کے دل میں تردد یا کھٹک پیدا ہو کیونکہ اپنی حالت کو وہ خود اچھی طرح جانتا ہے، یا اس میں کوئی شک ہو، یا جہالت ہو، یا مفتی کی جہالت کا اس کو علم ہو یا مفتی کے فتویٰ میں اسے اپنی محبت کی رعایت کا یقین ہو یا مفتی قرآن و سنت کا پابند نہ ہو یا وہ حیلوں اور خلاف سنّت رخصتوں کا پورا حامی ہو یا اور اس جیسے اسباب موجود ہوں جو مفتی کی ثقاہت کے خلاف ہوں۔

فتویٰ کی زبان میں احتیاط کی ضرورت:

ہر دور میں مفتی حضرات کو مسلم معاشرہ میں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مفتیوں نے اپنے اپنے دور میں فتاویٰ کے ذریعہ پیش آمدہ مسائل کا صحیح شرعی حل پیش کر کے اُمتِ مسلمہ میں اتحاد و اخوت کو فروغ دیا۔ انتہا پسندی کسی کی طرف سے ہو کسی بھی درجہ میں مستحسن نہیں اور خصوصاً مفتیان کرام سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

ایک مفتی کو دوسرے مفتی سے اختلاف رائے ہو سکتا ہے یہ امر کوئی معیوب نہیں، اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب متعین ہیں ہر شخص کو اسی دائرہ میں رہ کر اختلاف رائے کا حق حاصل

ہے، بشرطیکہ یہ اختلاف اپنے حدود، قیود و ضوابط اور اصول و آداب کے اندر ہو، امت کی وحدتِ فکر اور بنیادی مسائل میں اس کے مؤقف پر اثر انداز نہ ہو سکے۔

لیکن جب اختلاف رائے فتنہ و فساد یا فریق مخالف کی تکفیر کی شکل اختیار کر جائے تو پھر انتہاپسندی اپنے عروج کو پہنچ جاتی ہے۔ اُمت مسلمہ میں افتراق اور اجتماعی قوت کے جوہر کے زیاں کا سبب بن جاتی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر طٰہ جابر فیاض العلوانی ایسے ہی اختلافات کے نقصانات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اس دور اخیر میں امتِ مسلمہ کو سب سے خطرناک مرض جو لاحق ہوا ہے وہ ہے اختلاف اور مخالفت! ذوق، رجحان، کردار، اخلاق یہاں تک کہ معتقدات و نظریات، افکار و آداب، اسالیب فقہ، فرض عبادات ہر شئ اور ہر معاملے میں اختلاف گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کے پاس جتنے اوامر و نواہی ہیں سب اختلاف ہی کو ہوا دیتے ہیں اور اسی راہ پر لگاتے ہیں۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ نے اسلامی توحید کے بعد باہمی اختلاف سے اجتناب، تعلقات کو مکدر اور اخوت کو مجروح کرنے والی ہر چیز کے ازالہ اور امت مسلمہ کے اتحاد پر سب سے زیادہ زور دیا ہے''۔(۱۴۵)

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی نے امت میں اختلاف کے مرض کے بڑھتے ہوئے رجحان اور اس کے نقصانات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''اس پر آشوب دور میں جبکہ اسلام اور مسلمانوں پر ہر طرف سے فتنوں کی یورش اور مصائب کی یلغار ہے، ہمارے لئے اس سے زیادہ تباہ کن کوئی چیز نہیں ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ ان فروعی مسائل پر دست و گریبان ہوں، اور ذرا ذرا سی باتوں پر ایک دوسرے کو کافر و مشرک اور ایک دوسرے کی نمازوں کو فاسد قرار دیں، تاریخ کے صفحات پر بکھرے ہوئے بیشار واقعات ہیں جو سبق دینے کے لئے کافی ہیں کہ مسلمانوں کی شوکت وعظمت کے پرچم کسی دشمن نے سرنگوں نہیں کئے، بلکہ ہم نے خود آپس کی خانہ جنگیوں کے ذریعہ انہیں ایک ایک کر کے زیر کیا ہے، تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی مسلمانوں میں فروعی مسائل پر معرکے گرم ہوئے ہیں ہمیشہ ان سے اسلام دشمن عناصر نے فائدہ اٹھایا ہے''۔(۱۴۶)

تکفیر مسلم میں احتیاط کی ضرورت

کسی مسلمان پر کفر کا فتویٰ لگا دینا کوئی کھیل اور مذاق نہیں ہے کہ ذرا سا بہانہ ملے اور تکفیر کا فتویٰ لگا دیا جائے مسلمانوں کے لئے اس سے زیادہ تباہ کن کوئی چیز نہیں ہو سکتی کہ ایک دوسرے کے ساتھ فروعی مسائل پر دست و گریبان ہوں اور ذرا ذرا سی باتوں پر ایک دوسرے کو کافر قرار دیدیں۔ حالانکہ جمہور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ مفتی کے لئے ضروری ہے کہ تکفیر مسلم کے بارے میں فتویٰ دینے میں حتی الوسع انتہائی احتیاط سے کام لے اور جہاں تک ہو سکے تاویل کا سہارا لیتے ہوئے کسی بھی مسلمان کے بارے میں تکفیر کا فتویٰ دینے سے گریز کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **من صلی صلوتنا واستقبل قبلتنا و اکل ذبیحتنا فذلک المسلم الذی له ذمة الله و رسوله فلا تخفروا الله فی ذمته**(۱۴۷) یعنی کہ جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھے اور ہمارے ذبیحہ کو کھائے وہ مسلمان ہے، یہ شخص اللہ اور رسول کے عہد و پیمان میں ہے پس جو شخص اللہ اور رسول کے عہد و پیمان میں ہو تم اس کے ساتھ عہد شکنی مت کرو۔ اس حدیث سے بہت گنجائش نکلتی ہے اور ثابت ہو رہا ہے کہ کسی مسلمان کے خلاف کفر کا فتویٰ دینے میں حد درجہ احتیاط لازم ہے۔

مُلا علی قاریؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> علمائے اہل سنت کے نزدیک کسی اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص کافر نہیں ہو گا جب تک اس سے امارات و علامات کفر میں سے کوئی شے نہ پائی جائے اور کفر کو لازم کرنے والی کوئی چیز اُس سے ظاہر نہ ہو۔(۱۴۸)

علامہ ابن عابدین اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و فی الفتاویٰ الصغری الکفرُ شیءٌ عظیمٌ فلا اجعل المؤمن کافرًا متی وُجدتْ روایة اَنّه لایکفر، وفی الخلاصة وغیرها اذا کان فی المسئلة وجوه توجب التکفیر و وجه واحد یمنعه فعلی المفتی أن یمیل الی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم زاد البزازیة إلا اذا صرح بارادة موجب الکفر فلاینفعه التاویل...والذی تحرَّرَ انه لا یفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامه علیٰ محمل حسن اوکان فی کفره اختلاف ولو روایة ضعیفة فعلی هذا فاکثرالفاظ التکفیرالمذکورة لایفتیٰ بالتکفیر فیها و لقد الزمت

نفسی اَن لاَّ اُفتی بشیء منھا. (۴۹)
یعنی خلاصہ وغیرہ میں ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں کئی وجوہ موجب تکفیر ہوں اور ایک وجہ مانع تکفیر ہو تو مفتی کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اس وجہ کی طرف اپنا میلان ظاہر کر دے جس سے تکفیر کی نفی ہوتی ہو ۔ البتہ" بزازیہ" میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اگر کسی شخص نے کفر کے مراد ہونے کی تصریح کردی تو اس صورت میں تاویل فائدہ مند نہیں ہوگی۔ کفر نہایت سنگین چیز ہے جب مجھے کوئی ایسی روایت مل جائے جس سے اس کے کفر کی نفی ہو رہی ہو تو میں کسی مومن کو کافر قرار نہیں دیتا ،... اور وہ بات جو واضح او رمنقح ہوچکی ہے وہ یہ ہے کہ کسی ایسے مسلمان کی تکفیر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا جس کے کلام کو اچھے معنیٰ پر محمول کیا جاسکتا ہو، یا اس کے کفر میں اختلاف ہو اور اگرچہ کسی ضعیف روایت کی بنا پر ہو۔ مذکورہ اکثر الفاظ ایسے ہیں جن پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا اور میں نے اپنی ذات پرلازم کر رکھا ہے کہ کبھی بھی اس طرح کے الفاظ کے قائل پر تکفیر کا فتویٰ نہیں دوں گا۔

ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں تکفیر مسلم کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
وقد ذکروا أن المسئلة المتعلقه بالکفر اذا کان لھا تسع وتسعون احتمالاً للکفر واحتمال واحد فی نفیه فالاولی للمفتی و القاضی أن یعمل بالاحتمال النافی ، لان الخطاء فی ابقاء الف کافر اھون من الخطاء فی افتاء مسلم واحد ، وقد صرح قاضیخان فی فتاویٰ بأن الخاطی اذا جری علی لسانه کلمة الکفر خطاءً لم یکن کفرًا عند الکل ، بخلاف الھاذل لأنه یقول قصداً. (۱۵۰)
یعنی علماء نے مسئلہ متعلقہ بالکفر کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ اس کلمہ کفر کے ننانوے احتمالات کفر کے ہوں اور ایک احتمال کفر کی نفی کے بارے میں تو قاضی اور مفتی کے لئے بہتر یہی ہے کہ کفر کے نفی کرنے والے احتمال پر عمل کرے، کیونکہ ایک ہزار کافروں کو کفر پر باقی رکھنے میں غلطی کرنا یہ کمتر ہے اس غلطی سے جو ایک مسلمان کو فناء کر دے (یعنی کسی مسلمان کو کافر قرار دیا جائے) اور قاضی خان نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ خطاء کرنے والے کی زبان پر غلطی سے اگر کلمہ کفر جاری ہو جائے تو وہ اس سے کافر نہیں ہوتا، تمام فقہاء کے نزدیک، بخلاف ہازل (غیر سنجیدہ) کے کیونکہ وہ بالارادہ کفر کا کلمہ کہتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) الانفال: ۲۴۔

(۲) المآئدۃ : ۳۔

(۳) البقرۃ : ۱۸۵۔

(۴) المآئدۃ : ۶، الحج : ۷۸۔

(۵) آلِ عمران : ۱۶۴، الاحزاب : ۲۱۔

(۶) یوسف: ۴۰۔

(۷) الامام احمد بن حنبل، مسند الامام احمد ،۵: ۲۷۲، ۲۸۰، ۲۸۶، حدیث نمبر: ۲۲۰۶۸ ، ۲۲۱۲۲، ۲۲۱۶۱، ۲۲۳۱، (دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۳ء)

☆ الحافظ ابی داوٗد سلیمان بن الاشعث السجستانی، سننِ ابی داؤد، ۲: ۵۰، حدیث نمبر:۳۵۹۲ (دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۶ء)

(۸) النور :۶۱

(۹) فقہ: فقہ کا لفظ لُغت میں کسی چیز کے جاننے، سمجھنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ بعد میں اس کا استعمال خاص علمِ دین کے فہم میں ہونے لگا ، یعنی فقہ کا اطلاق اُن احکام و قوانین پر ہونے لگا جن کو فقہاء نے قرآن سنت کے مقرر کردہ اصول اور مبادی احکام سے مستنبط کیا ہے۔ تفصیل دیکھئے : ابنِ منظور ، ابوالفضل جما لُ الدین محمد بن مکرم، الافریقی المصری، لسان العرب، ۱۵: ۴۵۰، (نشر الادب الحوزہ، قم، ۱۹۸۵ء)

۲- قاضی ظہور الحسن، تاریخ الفقہ، ص: ۱۲، (مکتبہ معین الادب ، اردو بازار لاہور ۱۹۸۴ء)

۳- قرآن کریم میں بھی یہی مفہوم مراد لیا گیا ہے ملا حظہ ہو: الانعام : ۶۵،۲۵ (۲) الِاسرا : ۴۵،۴۴ (۳)طہ ۲۸۔

۴- حدیث شریف میں ہے ''مَنْ یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُفَقِّہُ فِی الدِّین' اللہ جس سے خیر کا اردہ کرتا ہے اس کو دین کا فہم عطا کردیتا ہے، دیکھئے: بخا ری، ابوعبد اللہ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری ۱:۱۶، (قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء)

☆ نیشاپوری، ابوالحسین مُسلم بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم ، ۲:۷۱۸،۷۱۹، ۳:۱۵۲۴، (دارالکتب العلمیۃ، بیروت سن ندارد)

(۱۰) المآئدۃ :۳۔

(۱۱) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پسِ منظر، ص : ۴۰، (قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی ،۱۹۹۱ء)

☆اصلاحی ، صدر الدین، اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ ،ص : ۹، (اسلامک پبلی کیشنز، لاہور ، ۱۹۸۹ء)

(۱۲) ارتقاء: ارتقاء کے لُغوی معنی ہیں بتدریج ترقی کرنا، بتدریج نشوونما ہونا، دیکھئے، مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات اردو، ص۸۲، فیروز سنز، کراچی، سن ندارد۔ اور ارتقاء کی اصطلاح کا اطلاق بالعموم ایسی صورتحال پر ہوتا ہے جو ہر بعد کی حالت کی پہلی حالت سے مطلوب سمت میں مختلف ہو اور ہدف یا مثالیت کے قریب تر کرنے والی ہو، اسی لئے اُسے مطلوب یامعمول کے مطابق تبدیلیوں کا سلسلہ کہا جاتا ہے۔

(۱۳) ابن قیّم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن ربِّ العا لمین، ۱:۱۴،۱۵، (مکتبۃ نزارمصطفٰی الباز، مکۃ المکرّمۃ، ۱۹۹۶ء)

(۱۴) ''فن'، فن کی مختصر تعریف یہ ہے: علم سے حاصل ہونے والی معلومات کو عملی شکل دینے کا نام فن ہے، دیکھئے: شیخ مبارک علی، معاشیات جدید، ص :۳۱، (کفایت اکیڈمی شاہراہ لیاقت کراچی، ۱۹۸۶ء)

(۱۵) ابن قیم الجوزیۃ ،اعلام الموقعین عن ربِّ ا لعا لمین، ا :۳۴۱۔

(۱۶) تفصیل کے لئے دیکھئے، الزُّحیلی، الدکتور وھبۃ، الفقہ الاسلامی واَدِلَّتُہٗ، ا: ۶۷-۷۲، (المکتبہ الحقانیہ، پشاور، سن ندارد)

ا- علی محمد معوض، عادل احمد عبد الموجود، مقدمۃ بدا یۃُ المجتھد و نھایۃُالمقُتصِد، ا:۲۱-۳۴، (دارالکتب العلمیّۃ، بیروت، لبنان۔ ۱۹۹۶ء)

(۱۷) ا بنِ منظور، ابو الفضل جما لُ الدین محمد بن مکرم، الافریقی المصری، لسان العرب،۱۵:۱۴۵، (نشر الادب الحوزہ، قم، ۱۹۸۵ء)

☆ دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۵: ۱۳۹۔ زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب لاہور، (یونیورسٹی آف پنجاب، ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء)

(۱۸) سید عبد ا لدائم ا لجلالی، لغات ا لقرآن، ۵:۳۸، (دار الاشاعت کراچی، ۱۹۸۶ء)

(۱۹) ابوالفیض السید محمد مرتضٰی الواسطی الزبیدی الحنفی، تاج ا لعروس، ۱۰:۲۷۵، (احیاء ا لترات ،مصر، ۱۳۰۶ھ)

(۲۰) سید عبدالدائم الجلالی، لغات القرآ ن، ۵: ۳۹۔

(۲۱) ا بنِ منظور، لسان العرب، ۱۵:۱۴۵۔

(۲۲) الزبیدی، تاج ا لعروس، ۱۰: ۲۷۵۔

(۲۳) ا بنِ منظور ، لسان العرب، ۱۵:۱۴۵۔

۲- الزبیدی ،تاج ا لعروس، ۱۰: ۲۷۵۔

(۲۴) ا بنِ منظور ، لسان العرب، ۱۵:۱۴۷۔

۲- الزبیدی ،تاج ا لعروس، ۱۰: ۲۷۵۔

(۲۵) ا بنِ منظور ، لسان العرب، ۱۵: ۱۴۸ ۔

(۲۶) محمد فرید وجدی، دائرہ معارف ا لقرن ا لعشرین، ۷ :۱۲۴، (دارا لمعرفۃ، بیروت ،۱۹۷۱ء)

۲- الزبیدی ، تاج ا لعروس، ۱۰: ۲۷۵۔

(۲۷) تفصیل دیکھئے :

ا- بلیاوی، عبدالحفیظ، مصباح اللغات، ص ۶۱۸، (قدیمی کتب خانہ کرچی ،سن ندارد)

۲- کیرانوی، وحیدُ الزَّمان قاسمی، القاموس الجدید ص ۶۸۶، (ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۹۹۰ء)

۳- محمد رفیع و محمد فاضل، فرہنگِ فارسی ص ۵۲۴، (دار الاشاعت کراچی، ۱۹۹۰ء)

۴- لوئیس معلوف، المنجد ص ۷۲۹، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۷۵ء، (انتشارات اسماعیلیان تہران ،۱۳۶۴ھ)

(۲۸) فیروزالدین، فیروزاللغا ت اردو ،ص ۹۲۴، (فیروز سنز،لاہور، سن ندارد)

(۲۹) وحید الزمان، لغات الحدیث، ۳: ، باب’’ف‘‘ ص، ۹ (میر محمد کتب خانہ کراچی، سن ندارد)

(۳۰) تفصیل دیکھئے : بلیاوی، عبدالحفیظ، مصباح اللغات، ص ۶۱۸، (قدیمی کتب خانہ کراچی، سن ندارد)

۲- لوئیس معلوف، المنجد ،ص۷۲۹۔

۳- فیروزالدین، فیروز اللغا ت اردو، ص۱۰۲۔

(۳۱) زین العابدین سجاد میرٹھی، بیان اللسان ص ۸۷، (دارالاشاعت کراچی، ۱۹۷۴ء)

(۳۲) وحید الزمان، لغات الحدیث، ۳ : ۱۹، باب’’ف‘‘۔

(۳۳) عبدالحفیظ بلیاوی ، مصباح اللغات ،ص ۶۱۸، نیز المنجد ص۷۲۹۔

(۳۴) فیروزالدین، فیروز اللغا ت اردو، ص ۱۲۶۹ ۔

(۳۵) عبدالحفیظ بلیاوی ، مصباح اللغات ،ص ۶۱۸۔
☆ لوئیس معلوف، المنجد، ص۷۲۹ ۔
(۳۶) کیرانوی، وحیدُالزَّمان قاسمی، القاموس الجدید، ص۶۸۶۔
(۳۷) فیروز الدین، فیروز اللغات اردو ،ص۹۱ ۔
(۳۸) ایضا ،ص ۱۲۴۳۔
(۳۹) النّساء : ۱۲۷۔
(۴۰) ا لنسآء :۱۷۶۔
(۴۱) یوسف :۴۱۔
(۴۲) یوسف :۴۳
(۴۳) یوسف: ۴۶
(۴۴) الکھف: ۲۲
(۴۵) النمل : ۳۲ .
(۴۶) الصآ فات : ۱ ۱ .
(۴۷) الصآ فات : ۱۴۹ .
(۴۸) النسآ ء :۲۵ .
(۴۹) یوسف : ۳۰
(۵۰) یوسف: ۳۶
(۵۱) یوسف: ۶۲،
(۵۲) الکھف : ۱۰
(۵۳) الکھف :۱۳
(۵۴) الکھف : ۶۰
(۵۵) ا لکھف : ۶۲
(۵۶) الانبیآء : ۶۰
(۵۷) النور : ۳۳
(۵۸) تفصیل کے لئے دیکھئے:
☆ الھندی، علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین، ^ßÒ] Ù^ÛÃÖ oÊ àß‰ [Ÿ ÙçÎ] æ [ÙÃÊŸ،۱۰:
۱۹۲، حدیث نمبر: ۲۹۰۱۸ (مؤ سسۃ ا لرسالۃ ، دمشق، ۱۹۹۳ء)
۲– ابن قیم الجوزیۃ: اعلام الموقعین عن رب العالمین،۴:۱۳۲۴، مکتبۃ نزارمصطفی الباز، مکۃ المکرمۃ، ۱۹۹۶ء ۔
۳– احمد بن حمدان الحرّانی الحنبلی، صفۃُ الْفتوی وَ الْمُفتی والمُستفتی، ص:۶، منشورات المکتب الاسلامی، دمشق، ۱۳۸۰ھ۔
(۵۹) تفصیل کے لئے دیکھئے:
۱– امام احمد بن حنبل، مسند الامام احمد، ۲: ۴۲۹، حدیث نمبر: ۸۲۸۶)، (دارالکتب العلمیّۃ، بیروت، ۱۹۹۳ء)
۲– الدارمی، عبد اللہ بن عبدالرحمٰن السمر قندی ،سُننُ ا لدا رمی، ۱:۶۹، حدیث نمبر: ۱۵۹ (قدیمی کُتب خانہ

کراچی، سن ندارد)

۳- ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ ،القزوینی، سُنَنُ ا بنِ ماجه ، ۱:۴۰ حدیث نمبر: ۵۳ (دارالمعرفہ ، بیروت ، ۱۳۱۶ ھ/ ۱۹۹۶ء)

۴- الھندی ، علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین، کنز ا لعمّال فی سُننِ الاقوال و الافعال، ۱۰: ۱۹۳، حدیث نمبر: ۲۹۰۱۹

(۶۰) الدارمی، سُننُ ا لدا رمی، ۶۹:۱، حدیث نمبر: ۱۵۷

۲- الھندی، علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین، کنز ا لعمّال فی سُننِ الاقوال و الافعال، ۱۸۴:۱۰، حدیث نمبر: ۲۸۹۶۱ ۔

(۶۱) امام احمد بن حنبل، مسند الامام احمد، ۴ :۲۷۹، حدیث نمبر: ۱۸۰۲۲ ، ۱۸۰۲۴

۲- الدارمی، سُننُ ا لدا رمی، ۲: ۳۲۰، (حدیث نمبر: ۲۵۳۳)

(۶۲) تفصیل کے لئے دیکھئے:

۱- بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح ا لبخاری ، ۱: ۴۶۲، ۲ :۸۵۸، (قدیمی کتب خا نہ کراچی، ۱۳۸۱ ھ/۱۹۶۱ء)

۲- النیسابوری، ابوالحسین مُسلم بن ا لحجاج القشیری، صحیح مسلم، ۱۹:۴ ۱۷، (حدیث نمبر: ۲۱۸۹)، (دارالکتب العلمیّہ، بیروت، سن ندارد)

۳- امام احمد بن حنبل، مسند الامام احمد، ۶: ۶۵، (حدیث نمبر: ۲۴۳۵۳)

(۶۳) تفصیل کے لئے دیکھئے:

۱- بخاری، صحیح ا لبخاری، ا : ۲۰

۲- مسلم، صحیح مسلم، ۴ : ۲۰۵۹، (حدیث نمبر: ۲۶۷۳)

۳- امام احمد بن حنبل، مسند الامام احمد، ۲ :۲۲۰ (حدیث نمبر: ۶۵۱۸)

۴- ابن ماجہ، سننُ ا بنِ ماجه ، ا : ۴۰، (حدیث نمبر: ۵۳)

(۶۴) تفصیل کے لئے دیکھئے:

۱- السجستانی،الحافظ ابی داوٗد سلیمان بن الاشعث، سننِ ابی داؤد، ۲: ۵۲۷ (حدیث نمبر: ۳۶۵۷)، (دارالکتب ا لعلمیّہ، بیروت، ۱۹۹۶ء)

۲- البیھقی، ابی بکر احمد بن الحسین بن علی، ا لسُّنن ا لکُبر یٰ، ۱۰ :۱۹۹، (حدیث نمبر: ۲۰۳۵۳) (دارالکتب العلمیّہ، بیروت، ۱۹۹۴ء)

۳- امام احمد بن حنبل، مسند الامام احمد، ۲ :۴۲۹، ۴۸۴، (حدیث نمبر: ۸۲۸۶، ۸۷۹۷)۔

(۶۵) الدارمی، سُننُ ا لدارمی، ۱: ۶۹، (حدیث نمبر :۱۶۰)

(۶۶) الدارمی، سُننُ ا لدارمی، ۱: ۷۳، (حدیث نمبر: ۱۷۱)

(۶۷) تفصیل کے لئے دیکھئے:

۱- بخاری، صحیح ا لبخاری، ۱: ۴۳، ۱: ۱۸۹، ۲۵۱، ۲: ۶۳۱، ۷۲۸، ۸۰۲، ۸۸۴، ۹۲۰، ۱۰۰۷، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰۔

۲- مسلم، صحیح مسلم، ۲۶۳:۱، ۶۹۰:۲، ۶۹۶، ۸۸۶، ۸۱۷، ۹۱۲، ۱۱۲۲، ۱۲۶۴، ۱۵۸۷، ۱۴۹۹:۴، (حدیث نمبر: ۳۳۴، ۹۹۲، ۱۰۰۳، ۱۲۱۸، ۱۱۱۰، ۱۲۴۴، ۱۴۸۴، ۱۶۴۴، ۱۷۳۳، ۱۸۷۹۔

۳- الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، ۱: ۲۳، (ایچ ایم سعید، کراچی سن ندارد)

۴- ابوداؤد، سننِ ابی داؤد، ۱: ۱۰۶ ، ۱۱۱ ، ۱۱۴ ، ۱۶۵ ، ۴۸:۲ ، ۱۵۴ ، ۱۶۰ ، ۴۴۲ ، ۳: ۴۲ ، ۱۵۸ ، ۶۴، (حدیث نمبر: ۲۵۵ ، ۲۷۴ ، ۲۸۵، ۴۵۷ ، ۱۹۰۵ ، ۲۲۸۹ ، ۲۳۰۶ ، ۳۲۹۹ ، ۴۰۱۰، ۴۴۵۰ ، ۴۴۷۲)۔

۵- النسائی، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب ، سُنن النّسائی، ۱:۱۰۷، ۱۹۹ ، ۲۱۴ ، ۱۲۶ ، ۱۲۷، ۵:۱۵۷، ۶:۴۴۸، ۴۶۷ ، ۵۰۴ ، ۵۱۸ ، ۸: ۵۸۸ ، (حدیث نمبر: ۲۹۲ ، ۳۵۰ ، ۳۹۲، ۲۶۴۰ ، ۲۶۴۱، ۲۷۱۱، ۳۳۸۹، ۳۴۲۸، ۳۵۲۱ ، ۳۵۴۸، ۵۳۲۳) (دارالمعرفۃ بیروت، ۱۹۹۴ء)

۶- ابنِ ماجہ ، سننُ ابنِ ماجه ، ۲: ۵۵ ، ۱۷۲:۲ ، ۳:۴۱۵، ۴:۲۲۵، (حدیث نمبر : ۱۱۹۱، ۱۴۰۷، ۲۹۰۵، ۳۷۵۰)۔

۷- امام مالک ابنِ انس، المؤطا امام مالک، ۱:۱۷۷ ، ۳۳۰، ۴۴۹ ، ۳۷۴ ، ۴۴۷ ، (دارالحدیث، قاھرہ، ۱۹۹۳ء)

۸- امام احمد بن حنبل، مسند الامام احمد، ۱: ۹۵ ، ۳۶۳ ، ۴۱۹ ، ۴۴۴، ۲:۶۵۴، ۳: ۳۹۳ ، ۵۴۶، ۴:۳ ، ۴۷ ، ۳۳۰ ، ۵:۱۰۷ ، ۱۱۸ ، ۶: ۲۰۱ ، ۲۱۰ ، ۲۶۳، ۳۲۵، ۳۵۳، ۳۵۶ ، ۴۴۴، (حدیث نمبر: ۵۶۴، ۲۵۱۷، ۲۹۶۸ ، ۳۱۸۱، ۱۰۴۶۶ ، ۱۴۴۵۳ ، ۱۵۷۱۲، ۱۶۱۰۴، ۱۶۴۲۵ ، ۱۸۳۹۶ ، ۲۰۸۶۵ ، ۲۰۸۹۳ ، ۲۵۵۲۱ ، ۲۵۵۹۹، ۲۶۵۶۶، ۲۶۷۷۳، ۲۶۸۶۰ ، ۲۶۷۹۶، ۲۷۴۱۴)۔

۹- الدارمی، سُننُ الدارمی، ۱: ۶۱، ۷۰، ۷۳ ، ۲ : ۷۲ ، ۲۶۵، (حدیث نمبر : ۱۱۴ ، ۱۶۳)، ۱۷۲، ۲۰۰۴، ۲۶۵۱)۔

۱۰- البیہقي، السُّنن الکُبریٰ ، ۴:۳۷۵، ۹:۲۱، ۵۹۳، (حدیث نمبر : ۸۰۴۳، ۱۷۷۴۷، ۱۹۶۱۸، ۱۹۶۱۹ ، ۱۹۶۲۰)۔

۱۱- الدارقُطنی، الحافظ علی بن عُمر، سُننُ الدارقطنی، ۱: ۱۳۳، ۲: ۲۴۰، ۴: ۱۹، ۴: ۳۱، (حدیث نمبر: ۴۵۰ ، ۲۶۴۵ ، ۳۹۲۳ ، ۳۹۷۹ (دارالکتُب العلمیَّۃ ، بیروت ، ۱۹۹۶ء)

۱۲- البغوی، ابو محمد الحسین بن مسعود، شرح السنَّۃ ، ۴:۱۵، (حدیث نمبر :۱۸۴۷) (دارالکتُب العلمیَّۃ، بیروت، ۱۹۹۲ء)

(۶۸) الأنبیآء : ۷

(۶۹) وَ یَسْتَفْتُوْ نَکَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیکُمْ فِیْهِنَّ ﴿النّساء : ۱۲۷﴾ اور (اے پیغمبر) لوگ آپ سے (یتیم) عورتوں کے بارے میں فتوی طلب کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اللہ تم کو اُن کے (ساتھ نکاح کرنے کے) معاملے کی اجازت دیتے ہیں۔

۲- یَسْتَفْتُونَکَ ط قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیکُمْ فِی الْکَلٰلَة ﴿النساء: ۱۷۶﴾ (اے پیغمبر) لوگ آپ سے (کلالہ کے بارے میں) حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اللہ کلالہ کے بارے میں یہ حکم دیتے ہیں۔

(۷۰) تفصیل کے لئے دیکھئے:

۱- ابو داؤد، سننِ ابی داؤد، ۱:۱۳۵، (حدیث نمبر : ۳۳۶)۔

۲- ابنِ ماجہ ، سننُ ابنِ ماجه ، ۱: ۳۲۲، (حدیث نمبر : ۵۷۲) ۔

۳- امام احمد بن حنبل ، مسند الامام احمد، ۱:۴۹۲، (حدیث نمبر : ۳۰۵۷)۔

۴- دارقُطنی، سُننُ الدارقطنی، ۱:۱۹۸: (حدیث نمبر : ۷۲۰)۔

(۷۱) شیخ محمد خضری بک، تاریخ فقہ اسلامی، اردو، ص۱۸، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۷۹ء۔

(۷۲) العانی، محمد شفیق، الفقه الاسلامی و مشروع القانون المدنی الموحد فی البلاد العربیه ، ص: ۶، مطبعہ لجنۃ البیان العربی، المالیۃ، ۱۹۶۵ء۔

(۷۳) النساء :۶۵۔

(۷۴) النساء :۵۹۔

(۷۵) اعلام الموقعین عن ربِّ العا لمین، ا: ۱۴۔

(۷۶) الدارمی، سُنن ا لدارمی، ا :۶۳، (حدیث نمبر :۱۲۵)۔

(۷۷) تفصیل دیکھئے : اعلام الموقعین عن ربِّ العا لمین، ۴: ۲۶۶-۲۱۴۔

(۷۸) یہ فتاویٰ شوال ۱۳۲۵ ھ/۱۹۰۷ء میں مرتب کئے گئے تفصیل دیکھئے : سید اصغرحسین دیوبندی ، فتاویٰ محمدی مع شرح دیوبندی، اعزازیہ کتب خانہ دیوبند، یو. پی سن ندارد۔

(۷۹) تفصیل کے لئے دیکھئے :

۱- البخاری ،صحیح ا لبخاری، ا : ۴۸ ،۴۹۔

۲- مُسلم ،صحیح مسلم ، ا : ۲۸۰ ، (حدیث نمبر :۳۶۸)۔

۳- الترمذی، جامع الترمذی ، ا : ۳۶۔

☆ ابوداؤد، سنن ا بی دا ؤد ، ا :۱۲۹ ، (حدیث نمبر : ۳۲۲ ، ۳۲۳)۔

۴- النسائی، سُنن ا لنَّسائی، ا :۱۸۱ ،۱۸۳-۱۸۵، (حدیث نمبر: ۳۱۱ ، ۳۱۵ - ۳۱۸)۔ ☆ ابن ماجہ، سنن ابنِ ماجہ، ا : ۳۱۹ ، (حدیث نمبر: ۵۶۹)۔

۵- الامام احمد، مسند الامام احمد بن حنبل، ۴ : ۳۲۲ ، ۳۲۴ ، ۳۹۳ ، (حدیث نمبر : ۱۸۳۴۵، ۱۸۳۵۹، ۱۸۹۱۱)۔

۶- الدارقُطنی ،سُنن ا لدّا ر قطنی، ا : ۱۸۸ ، ۱۹۰، (حدیث نمبر : ۶۷۳، ۶۹۱)۔ ☆ البیہقی، السُّنن ا لکُبریٰ، ۳۲۱، (حدیث نمبر : ۱۰۰۴)۔

۷- البغوی، شرح ا لسنَّة ، ا : ۳۹۸، (حدیث نمبر : ۳۰۹)۔

(۸۰) الامام احمد، مسند امام احمد بن حنبل، ا : ۱۲۰ ، ۶ ، ۱۲۴، (حدیث نمبر :۷۵۱ ،۲۴۸۵۰)۔

(۸۱) النووی، حافظ ابو زکریا محی الدین بن شرف، المجوع شرح المھذب، ا:۴۰، (المطبعۃ العربیہ قاھرہ، سن ندارد)

۲- ابن قیم الجوزیۃ ، اعلام الموقعین ،۲:۵۵۴۔

(۸۲) تفصیل کے لئے دیکھئے :

۱- دارمی، سنن الدارمی، ا:۶۵، (حدیث نمبر : ۱۳۵،

۲- النووی ، المجوع شرح المھذب،ا:۴۰ ،

۳- الامام احمدبن حمدان الحرانی الحنبلی،صفۃ الفتویٰ والمفتی والمستفتی ،ص۷، (منشورات المکتب الاسلامی، دمشق، ۱۳۸۰ھ)

۴- ابن قیم الجوزیۃ، اعلام الموقعین ،:۱۳۲۵۔

۵- ابن الصلاح ، ادب المفتی و المستفتی، ص :۹،۴۵، (میر محمد کتب خانہ، کراچی، سن ندارد)۔ ابن صلاح کا مکمل نام: حافظ تقی الدین ابو عمرو عثمان بن الصلاح عبد الرحمٰن الشہر زوری ہے، ابن حجر العسقلانی، شرح نخبۃ الفکر، ص: ۲۲، (شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور،۱۹۹۶ء)

(۸۳) نووی، المجموع شرح المھذب، ا:۴۰۔

☆ ابن قیم الجوزیۃ، اعلام الموقعین، ۴: ۱۳۲۵۔

(۸۴) ابن قیم الجوزیۃ، اعلام الموقعین، ا: ۱۴۔

(۸۵) محبّ الدین الخطیب، علی ھامش مؤ طا امام مالک ،ص ۱۷۷۔
(۸۶) العسقلانی، الحافظ احمد بن علی بن حجر، الإصابة فی تمییز الصحابة، ۴:۱۵۹، (دارالکتب العلمیّة، بیروت، ۱۹۹۵ء)
(۸۷) ابن قیم الجوزیۃ، اعلام الموقعین، ۱: ۱۴۔
(۸۸) ابن عبدالبر، ابو عمر یوسف ابن عبداللہ، الاستیعاب علیٰ صلب ھامش الاصابة فی تمییز الصحا بة ،۲:۳۴۲، (دار احیاء و التراث العربی، بیروت، ۱۳۲۸ھ)
(۸۹) العسقلانی، الحافظ احمد بن علی بن حجر، تہذیب التہذیب، ۴: ۴۰۸، بیروت، ۱۴۱۵ ھ/ ۱۹۹۵ء۔
(۹۰) البصری، ابو عبداللہ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ ، ۴ : ۱۴۴، درا لفکر، بیروت، ۱۴۰۵ ھ/۱۹۸۵ء۔
☆ ابن قیم الجوزیۃ ، اعلام الموقعین، ۲:۵۵۳۔
(۹۱) ابنِ حجر، الاصابة فی تمییز الصحابة ،۴: ۱۶۰ ۔
(۹۲) المآئدة : ۹۶۔
(۹۳) امام مالک ابن انس، مؤطاا مام مالک، ۲:۳۹۵۔
(۹۴) نووی، المجموع شرح المھذب، ۱:۴۰۔
(۹۵) ایضا، ۱:۴۰۔
(۹۶) نووی، المجموع شرح المھذب، ۱:۴۱۔
۲- الامام احمد بن حمدان الحرّا نی الحنبلی ،صفته الفتویٰ والمفتی والمستفتی، ص ۸۔
(۹۷) تفصیل کے لئے دیکھئے:
۱- نووی، المجموع شرح المھذب، ۱: ۴۱۔
۲- الامام احمد بن حمدان الحرّانی الحنبلی، صفته الفتویٰ والمفتی والمستفتی،ص ۸۔
۳- ابنُ الصلاح، ادب المفتی والمستفتی ،ص ۳۔
(۹۸) ابن قیم الجوزیۃ، إعلام الموقعین عن ربِّ ا لعا لمین، ۲:۵۵۴۔
(۹۹) ایضًا، ۲:۵۵۴۔
(۱۰۰) تفصیل کے لئے دیکھئے:
۱- الترمذی، جامع الترمذی، ۲: ۲۱۔
۲- البیهقی، ابوبکر احمد بن الحسین، السُّنن ا لکُبریٰ، ۱۰ :۱۷۸ ،(حدیث نمبر: ۲۰۲۷۰)۔
۳- الھندی، علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین، کنزالعمّال فی سُننِ الاقوال و الافعال، ۳ :۹۸، ۱۳۲ (حدیث نمبر :۵۶۷۲ ، ۵۸۳۳)، (مؤسسة الرسالة، دمشق، ۱۹۹۳ء)
(۱۰۱) تفصیل کے لئے دیکھئے:
۱- نووی، المجموع شرح المھذب، ۱:۴۱۔
۲- ابن قیم الجوزیۃ،اعلام الموقعین، ۲: ۵۵۴۔
۳- عثمانی، ظفر احمد، اعلاء السنن، ۲۰ : ۱۰ ، ادارة القرآن و العلوم الاسلامیہ، (کراچی ۱۴۱ھ/۱۹۹۴ء)
(۱۰۲) المزمل: ۵۔
(۱۰۳) تفصیل کے لئے دیکھئے:
۱- نووی، المجموع شرح المھذب، ۱:۴۱۔
۲- ابن قیم الجوزیۃ، اعلام الموقعین، ۲: ۵۵۴۔

۳- ابن صلاح، ادب المفتی و المستفتی، ص:۱۳، میر محمد کتب خانہ، کراچی، سن ندارد۔
۴- احمد بن حمدان الحرّانی الحنبلی، صفۃُ الفتوی وَ المُفتی والمُستفتی، ص: ۸۔

(۱۰۴) نووی، المجموع شرح المهذب ، ۱:۴۰۔

(۱۰۵) تفصیل کے لئے دیکھئے:

۱- نووی، المجموع شرح المهذب ، ۱:۴۰۔
۲- ابن قیم الجوزیۃ، اعلام الموقعین عن ربِّ العالمین ۴: ۱۳۲۵۔
۳- احمد بن حمدان الحرّانی الحنبلی، صفۃُ الفتوی وَ المُفتی والمُستفتی، ص: ۱۰۔

(۱۰۶) احمد بن حمدان الحرّانی الحنبلی، صفۃُ الفتوی وَ المُفتی والمُستفتی، ص: ۱۲۔

(۱۰۷) احمد بن حمدا ن الحرّانی الحنبلی، صفۃُ الفتوی وَ المُفتی والمُستفتی، ص: ۹۔
۲- ابن قیم الجوزیۃ، اعلام الموقعین عن ربِّ العالمین، ۴: ۱۳۲۵۔

(۱۰۸) احمد بن حمدان الحرّانی الحنبلی، صفۃُ الفتوی وَ المُفتی والمُستفتی، ص:۹۔

(۱۰۹) تفصیل کے لئے دیکھئے :

۱- الدارمی، سُننُ الدارمی، ۱: ۷۳، (حدیث نمبر: ۱۷۱)۔
۲- نووی، المجموع شرح المهذب، ۱:۴۰۔
۳- ابن الصلاح، ادب المفتی و المستفتی، ص ۷۔

(۱۱۰) الامام احمد بن حنبل، مسند الامام احمد، ۴: ۱۰۰، (حدیث نمبر : ۱۶۷۴۹)۔
۱- البیہقی، السُّنن الکُبریٰ، ۳:۹۲، (حدیث نمبر: ۴۹۸۴)۔

(۱۱۱) نووی، المجموع شرح المهذب، ۱:۴۵۔
۱- احمد بن حمدان الحرّانی الحنبلی، صفۃُ الفتوی وَ المُفتی والمُستفتی، ص:۶۔

(۱۱۲) النحل :۱۱۶۔

(۱۱۳) تفصیل کے لئے دیکھئے:

۱- الرازی، فخرالدین محمد بن عمر، المحصول فی علم اصول الفقه، ۱ : ۲۱۹ ،۲ :۶۹۲، ۳: ۶۸، ۱۰۱، ۴: ۱۴۳۴، ۱۴۴۴، ۱۴۶۹، (مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز الریاض ،۱۹۹۷ء)
۲- ابن رشد ، قاضی ابو الولید القرطبی الاندلسی، بدا یۃُ المجتهد و نهایۃُالمقتصِد، ۱ : ۳۵، ۲۲۲، ۲۴۱، ۲۷۰، ۲۷۹، ۲۸۴، ۲۹۰، دار الکتب العلمیّۃ، بیروت، لبنان- ۱۹۹۶ء۔
۳- الباجی، قاضی ابو الولیدسلیمان بن خلف الاندلسی القرطبی الذہبی، الاشاره فی اصول الفقه، ۱۶۴-۱۷۲، ۳۰۰، ۴۲۲، (مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، الریاض، ۱۹۹۶ء)
۴- البصری، ابی الحسین محمد بن علی المعتزلی، المعتمد فی اصول الفقه ، ۱ :۲۵ ، ۳۷ ، ۲ :۳ ، ۴۳، ۱۸۹، ۲۹۵، ۳۲۵، (دار الکتب العلمیۃ بیروت، سن ندار)
۵- ابن قیم الجوزیۃ، اعلام الموقعین عن ربِّ العالمین ، ۱: ۲۸-۳۰۔
۶- ملاجیون ،شیخ احمد، نور الانوار ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، سن ندارد۔
۷- الزُحیلی، الدکتور وھبۃ، الفقه الاسلامی واَدِلَّتُهٗ ، ۱: ۳۰ -۳۸۔ (المکتبہ الحقا نیہ، پشاور، سن ندادر)
۸- الزحیلی، الدکتور وھبہ، أصول الفقه الاسلامی، ۱ : ۴۲۰، ۴۴۹ ، ۴۸۶ ، ۶۰۱ ، ۲ : ۷۳۶ ، ۷۵۲، ۸۲۸، ۸۳۸، ۸۵۰ ، ۸۵۹ ، ۸۷۳ ، ۹۱۵ ، ۹۲۱۔
۹- زیدان، عبد الکریم ، الوجیز فی اصول الفقه ، ۱۵۲، ۱۶۱، ۱۷۹، ۱۹۴، ۲۳۰، ۲۳۶، ۲۶۷، (فاران اکیڈمی

اردو بازار لاہور، سن ندارد)

(۱۱۴) البصری، ابی الحسین محمد بن علی المعتزلی ، المعتمد فی اصول الفقه ، ۱ : ۲۵۷ ۔

(۱۱۵) ملیح آبادی، سید امیر علی، مقدمہ فتاوی ہندیہ المعروف فتاویٰ عالمگیری (اردو) ۱ : ۱۲۱۔ (مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور، سن ندارد)

(۱۱۶) الفتاوی الہندیہ المعروف بہ الفتاویٰ العالمگیریہ ، ۳ : ۳۰۸، (مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ،۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء)

(۱۱۷) ابن ہمام، کمال الدین محمد عبد الحمید، فتح القدیر، ۶ : ۳۶۰، (مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ، سن ندارد)

☆ ابن عابدین، محمد امین، ردّ المحتار، ۱ : ۵۱ ،(مکتبہ ماجدیہ ، کوئٹہ ،۱۳۹۹ ھ/ ۱۹۷۹ء)

(۱۱۸) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

۱- ابن قیم الجوزیۃ، اعلام الموقعین عن ربّ العالمین، ۱: ۱۳-۶۵۔

۲- ابن عابدین، محمد امین، شرح عقود رسم المفتی، ص : ۹، (قدیمی کتب خانہ، کراچی، سن ندارد)

۳- عثمانی، ظفر احمد، اعلاء السنن ،۲۰ : ۸۔

(۱۱۹) متن میں مذکور مفتی کے اہم شرائط و اوصاف کے علاوہ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے :-

۱- القرافی، شہاب الدین ابی العباس احمد بن ادریس المصری المالکی، الاحکام فی تمییز الفتاویٰ عن الاحکام و تصرفات القاضی و الامام، صفحات : ۲۷۰ -۲۷۴، (مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب، ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء)

۲- القاری، علی بن سلطان محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ،۲ : ۴۴۵، (المکتبۃ الحبیبیۃ، کوئٹہ، سن ندار)

۳- الفتاویٰ الہندیہ المعروف بہ الفتاویٰ العالمگیریہ، ۳ : ۳۰۹۔

۴- ابن الصلاح، ادب المفتی و المستفتی، ص:۸۳۔

۵- احمد بن حمدان الحرّانی الحنبلی ،صفۃُ الْفتوی وَ الْمُفتی والمُستفتی، ص :۶۷۔

۶- ابن قیم الجوزیۃ، اعلام الموقعین عن ربّ العالمین ،۴: ۱۳۵۷۔

(۱۲۰) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

۱- ابن صلاح، ادب المفتی و المستفتی، ص:۲۱۔

۲- نووی، المجموع شرح المهذب ، ۱:۴۲۔

۳- احمد بن حمدان الحرّانی الحنبلی، صفۃُ الْفتوی وَ الْمُفتی والمُستفتی، ص : ۱۳۔

(۱۲۱) فتاوی ہندیہ المعروف بہ فتاویٰ عالمگیری ، ۳ : ۳۰۹۔

(۱۲۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

۱- بخاری، صحیح البخاری، ۲ : ۱۰۷۔

۲-مسلم، صحیح مسلم، ۴ :۲۱۵۶، (الحدیث: ۲۷۹۸)

۳- دارمی، سُنَنُ الدارمی، ۱ : ۷۳ (الحدیث : ۱۷۳)۔

(۱۲۳) الفتاویٰ الہندیہ المعروف بہ الفتاویٰ العالمگیریہ، ۳ : ۳۰۹، نیز دیکھئے ،ردّ المحتار، ۳ : ۳۳۵۔

(۱۲۴) تفصیل کے لئے دیکھئے:

۱- ابن صلاح، ادب المفتی و المستفتی ،ص: ۴۴۔

۲- احمد بن حمدان الحرّانی الحنبلی ،صفۃُ الْفتوی وَ الْمُفتی والمُستفتی، ص : ۲۹۔

۳- ابن قیم الجوزیۃ، علام الموقعین عن ربّ العالمین ،۴: ۱۳۲۶۔

(۱۲۵) تفصیل دیکھئے: ابن قیم الجوزیۃ، علام الموقعین عن ربّ العا لمین ،۴: ۱۳۰۹ -۱۳۱۴۔
۲- عثمانی، ظفر احمد ،اعلاء السنن ،۲۰ : ۸۔
(۱۲۶) ابن قیم الجوزیہ، إعلام الموقعین عن ربّ ا لعا لمین، ا: ۳۵۔
(۱۲۷) تفصیل کے لئے دیکھئے:
ا- حصکفی، شیخ محمد علاء الدین بن علی ، درّالمختار، ا :۵۵،(مکتبہ ماجدیہ ، کوئٹہ ۱۳۹۹ ھ/ ۱۹۷۹ء)
۲- ابن عابدین، ۲ : ۶۶۵، ردّ المحتار۔
۳- ابن عابدین، شرح عقود رسم المفتی، ص : ۴۔
۴- الزّحیلی ،الدکتور وھبۃ، الفقہ الاسلامی واَدِلَّتُہٗ ، ا: ۴۹۔
(۱۲۸) ابن عابدین، ردّ المحتار،۴ : ۳۴۰۔
(۱۲۹) ابن قیم الجوزیۃ، اعلام الموقعین عن ربّ العا لمین، ا: ۳۵۔
(۱۳۰) تفصیل کے لئے دیکھئے :
ا- ترمذی، جامع الترمذی ، ا : ۲۴۷ ۔
۲- ابوداؤد ، سنن ا بی دا ؤد ،۲ : ۵۰۶، (حدیث نمبر : ۳۵۷۲)۔
۳- ابن ماجہ ، سنن ا بنِ ماجہ ،۳ : ۹۸، (حدیث نمبر : ۲۳۰۸)۔
۴- الامام احمد، مسند امام احمد، ۲ : ۴۸۴، (حدیث نمبر : ۸۷۹۸)۔
۵- بیہقی، السُّنن الکُبریٰ ، ۱۰ : ۱۶۵، (حدیث نمبر : ۲۰۲۱۹)۔
۶- ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن ربّ العا لمین ، ا: ۳۸۔
(۱۳۱) الامام احمد، مسند امام احمد ، ۶ : ۸۴، (حدیث نمبر : ۲۴۵۱۸)۔
۲- بیہقی، السُّنن الکبریٰ ، ۱۰ : ۱۶۵، (حدیث نمبر: ۲۰۲۲۱)۔
(۱۳۲) تفصیل کے لئے دیکھئے:
ا- ابو داؤد ، سنن ا بی دا ؤد، ۲ : ۵۰۶، (حدیث نمبر : ۳۵۷۳)۔
۲- ابن ماجہ ، سننُ ا بنِ ماجہ ،۳ : ۹۳، (حدیث نمبر : ۲۳۱۵)۔
۳- بیہقی، السُّنن الکبریٰ ، ۱۰ : ۱۹۹، (حدیث نمبر : ۲۰۳۵۴)۔
۴- ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن ربّ العا لمین، ا: ۳۷۔
(۱۳۳) شیخنا رضی اللہ تعالی سے مراد علامہ ابن تیمیہؒ ہیں۔
(۱۳۴) ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن ربّ العا لمین ، ۴ :۱۳۲۴۔
(۱۳۵) احمد بن حمدان الحرّانی الحنبلی، صفۃُ الْفتوی وَ ا لْمُفتی والمُستفتی، ص : ۲۴۔
(۱۳۶) تفصیل کے لئے دیکھئے:
ا- ابن عابدین ، شرح عقود رسم المفتی، ص : ۹۔
۲- نووی، المجموع شرح المھذب ، ا:۴۱۔
۳- ابن صلاح، ادب المفتی و المستفتی ، ص:۲۰۔
(۱۳۷) تفصیل کے لئے دیکھئے:
ا- ابو داؤد، سنن ا بی دا ؤد ،۳ :۱۹۹، (الحدیث : ۳۵۸۶)۔
۲- ابن ماجہ ، سنن ابنِ ماجہ ، ۴ : ۱۰۳، (الحدیث : ۳۴۶۶)۔
۳- نسائی، سُنن ا لنَّسائی، ۸ : ۴۲۳ ، (الحدیث : ۴۸۴۵)۔

(۱۳۸) ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد الحضرمی، مقدمہ ابن خلدون ،۲۷۴، دارالفکر ، بیروت ، ۱۴۰۱ ھ/ ۱۹۸۱ء۔

(۱۳۹) ابن صلاح، ادب المفتی والمستفتی ،ص:۴۲-۴۴۔

(۱۴۰) ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن ربّ العا لمین، ۴: ۲۳۲۶۔

(۱۴۱) الفتاویٰ الہندیہ المعروف بہ الفتاویٰ العالمگیریہ ، ۳ : ۳۰۹۔

(۱۴۲) تفصیل کے لئے دیکھئے :

۱- نووی، المجموع شرح المهذب ، ۱:۴۱،

۲- احمد بن حمدان الحرّانی الحنبلی ،صفةُ الْفتوی وَ المُفتی والمُستفتی، ص : ۲۹۔

۳- شیخ محمد بن علی، درّالمختار ،۴ :۳۳۷

(۱۴۳) تفصیل کے لئے دیکھئے : البخاری ،صحیح البخاری، ۱ : ۳۳۲ ، ۲ : ۱۰۶۴۔

۱-مُسلم، صحیح مسلم ، ۳ :۲۹، (حدیث نمبر : ۱۷۱۳)۔

۲- الامام احمد، مسند الامام احمد، ۶: ۲۲۶ ، ۳۲۳ ، ۳۴۰ ، ۳۴۱ ، ۳۵۳، (حدیث نمبر : ۲۵۷۲۵، ۲۶۵۴۷، ۲۶۶۷۳، ۲۶۶۸۲، ۲۶۷۷۳)۔

۳- ابن ماجہ، äq'Ú ạe] àß‰، ۳ : ۹۴، (حدیث نمبر : ۲۳۱۷ ، ۲۳۱۸)۔

۴- نسائی ، سنن النسائی ، ۸ : ۲۲۵، (حدیث نمبر : ۵۴۱۶)۔

(۱۴۴) ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن ربّ العا لمین ،۴: ۱۳۵۵۔

(۱۴۵) العلوانی، ڈاکٹر جابر فیاض، اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب ، ص: ۱۷-۱۸، مکتبہ تعمیر انسانیت، اُردو بازار، لاہور،۱۹۸۷۔

(۱۴۶) عثمانی، مفتی محمد تقی، تقلید کی شرعی حیثیت، ص: ۱۶۰،مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸۔

(۱۴۷) تفصیل کے لئے دیکھئے :

۱- بخاری ، صحیح البخاری ، ۱: ۵۶۔

۲- النسائی، سُنن النّسائی ، ۸:۴۷۹، (حدیث نمبر : ۵۰۱۲)۔

۳- البیہقی ، السُّنن الکبریٰ ، ۲:۵، (حدیث نمبر : ۲۱۹۸) ۔

(۱۴۸) القاری، علی بن سلطان محمد، شرح فقه اکبر، ص : ۱۵۵ ، قدیمی کتب خانہ کراچی، سن ندارد ۔

(۱۴۹) تفصیل کے لئے دیکھئے:

۱- ابن عابدین، محمد امین، ردّ المحتار، ۳: ۳۱۲ ،مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ ،۱۳۹۹ ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۲- حصکفی، شیخ محمد علاء الدین بن علی ، درّالمختار ، ۳ :۳۱۶،مکتبہ ماجدیہ ، کوئٹہ ۱۳۹۹ ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۳- ابن عابدین، محمد امین، شرح عقود رسم المفتی، ص : ۹ ۲، قدیمی کتب خانہ، کراچی، سن ندارد۔

(۱۵۰) القاری، علی بن سلطان محمد، شرح فقه اکبر، ص : ۱۶۲، قدیمی کتب خانہ کراچی، سن ندارد۔